ہندوستانی مذاہب

(ایک مطالعہ)

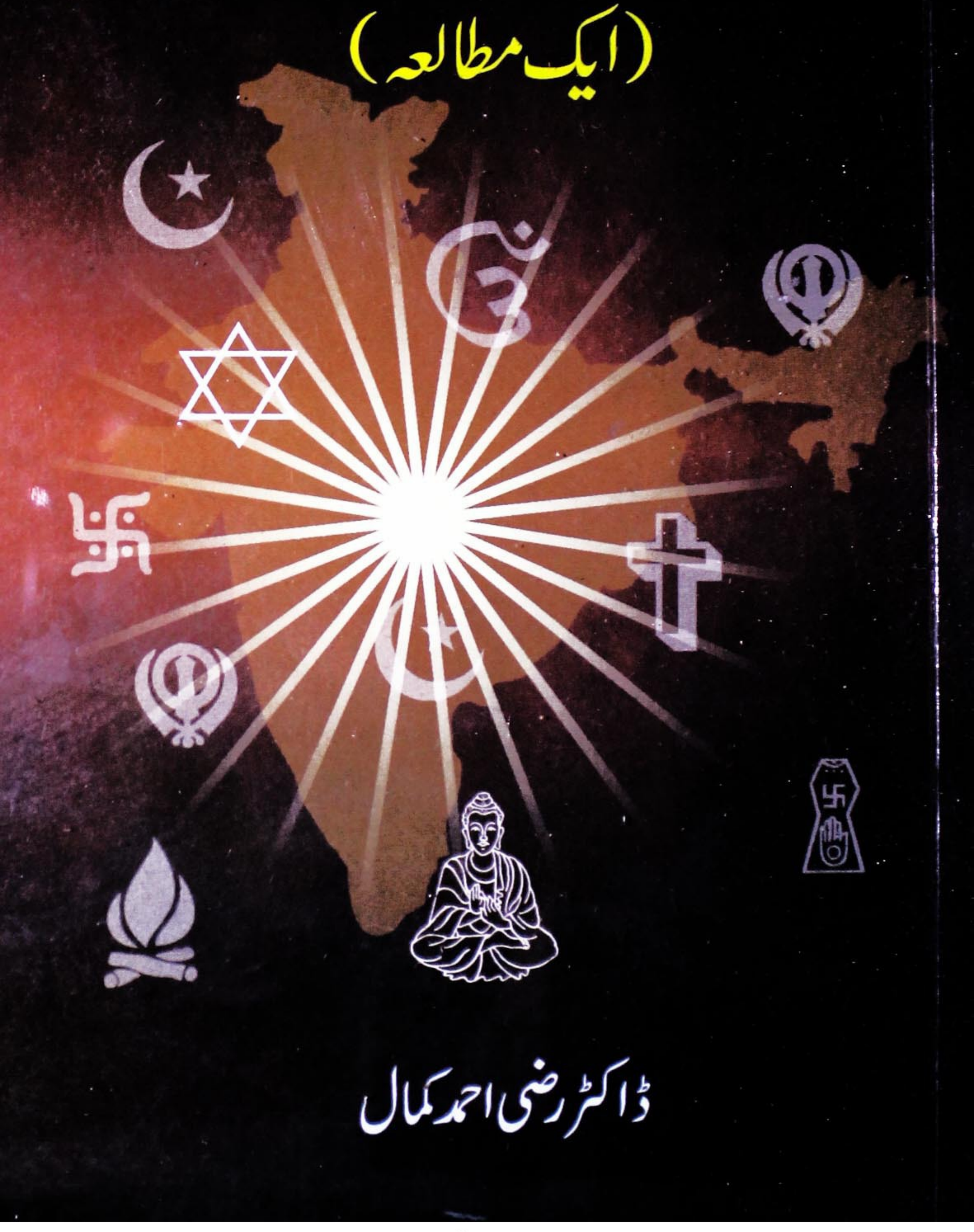

ڈاکٹر رضی احمد کمال

Marfat.com

Marfat.com

ہندوستانی مذاہب

ایک مطالعہ

ڈاکٹر رضی احمد کمال

MAQBOOL AHMED DEHLAVI'S
BOOK NO:.....5476.....

مکتبہ الحسنات، (دہلی)

Marfat.com

© Copyright 2005 Maktaba Al Hasanat New Delhi

No part of this book can be reproduced or utilized in any form or by any means, electronic or mechanical, including photocopying and recording or by any information storage and retrieval system, without written prior permission of the publisher.

2/5476

113434

HINDUSTANI MAZAHIB EK MUTALA

(Dr. RAZI AHMAD KAMAL)

ISBN 81-8314-031-9

ایڈیشن 2005

ناشر:۔

مکتبہ الحسنات، دہلی

2241، کوچہ چیلان، دریا گنج۔ نئی دہلی-110002

فون:۔ 2327 1845 فون وفیکس 011-5156 3256

E-mail: m_alhasanat@rediffmail.com

faisalfaheem@rediffmail.com

قیمت

-/40 روپے

Printed at:

H.S. Offset Printers

Darya Ganj Delhi-2

Marfat.com

فہرست

۱۔	پیش لفظ	ڈاکٹر شعیب احمد اعظمی	۵
۲۔	اظہار تشکر	ڈاکٹر رضی احمد کمال	۹
۳۔	ہندومت		۱۱
۴۔	بدھ مت		۲۹
۵۔	جین مت		۴۰
۶۔	زرتشتیت		۵۱
۷۔	سکھ مت		۵۹
۸۔	یہودیت		۶۸
۹۔	عیسائیت		۷۸
۱۰۔	اسلام		۹۵

MAQBOOL AHMED DEHLAVI'S
BOOK NO: ۵۵۷۶

Marfat.com

انتساب

اُن اکابرین جامعہ کے نام

جن کی بے لوث خدمات کے سبب

آج

جامعہ پھل پھول رہی ہے

ڈاکٹر رضی احمد کمال

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہندوستانی مذاہب کے موضوع پر ڈاکٹر رضی احمد کمال، ریڈر شعبۂ مطالعات علوم اسلامی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی یہ تصنیف آج کے ہندوستان کی نوجوان نسل کے لیے ایک گرانقدر پیش کش ہے جس کے مطالعہ سے انھیں نہ صرف اپنے دین، تہذیب اور زبان کے بارے میں مزید علم ہوگا بلکہ ہندوستان کے دیگر بڑے مذاہب، ان کی تعلیمات اور تمدنی تاریخ کی روشن تصویر بھی سامنے آئے گی۔

مذہب کے بنیادی عناصر، خدا کے پیغمبروں، ان کے صحائف، تعلیمات، عمل اور برگزیدہ بندوں کے مسلسل کردار کی کوششوں سے زندہ اور تابندہ رہتے ہیں اور معاشرہ اور افراد کی فکری کاوش کے باوجود نتیجتاً مذہب ہمیشہ برتر رہا ہے اور کوئی تحریک، کوئی انقلاب، دینی اساس کو نقصان نہیں پہنچا سکا ہے۔ تہذیبیں بنتی رہتی ہیں مگر مذہب ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

مذہب، فرد اور معاشرہ کی تربیت کرتا ہے۔ ایک بامقصد زندگی گزارنے کا شعور بخشتا ہے۔ دنیا اور آخرت کے لیے ایک باقاعدہ اور مرتب لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ نیک و بد کی تمیز اور شعور کو جلا بخشتا ہے اور بقول نپولین:

''مذہب، انسان اور اس کے سماج کے لیے، سمندری جہاز کے قطب نما کی مانند ہے۔ اگر مذہب کا وجود نہ ہوگا تو انسان اس سمندری گرداب میں غوطے کھاتا رہے گا اور کبھی نجات کے ساحل پر نہیں پہنچے گا۔''

یہ مذہب ہی ہے جس کی بدولت تہذیبیں وجود میں آتی ہیں۔ زبان، علم و ادب، ہنر و فن، مذہبی ہدایت سے پھلے پھولے ہیں، فرقہ بندی۔ نسلی عصبیت اور

Marfat.com

تفوق کا تصور مذہب کے نام نہاد لیواؤں اور سیاسی بازیگروں کی انا اور تسکین کا باعث بنا ہے، جبکہ بقول سقراط:

(ترجمہ) ''انسانی زندگی اور تمدن کی تاریخ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ہر تہذیب انسانی فطرت، زندگی کے تقاضوں اور فکر و خیال پر مبنی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر تمدنوں میں مماثلت پائی گئی ہے۔ امتزاج اور اشتراک کی رَو کے ساتھ سوال و جواب کی منزل سے گزر کر بسا اوقات اپنی امتیازی حیثیت کے تسلسل میں اپنے دائرے کو وسیع کرنے کی بے جا خواہش دوسری تہذیب اور فکری تمدن پر حاوی ہوجانا چاہتی ہے اور جب استحصال، ظلم و بربریت کی حدوں میں پہنچ جاتی ہے تو اپنی موت آپ مرجاتی ہے۔''

تاریخ شاہد ہے کہ ان تہذیبوں میں یونان، مصر، روم، فراعنہ، نمارودہ، ہلاکو چنگیز، مشرق ومغرب کی طویل جنگیں، ایک عالم کو اپنی لپیٹ میں لے کر ختم کر بیٹھیں اور افسوس صد افسوس کہ اس تماشہ میں مسلک، نسل، زبان وعقیدہ کے نام پر، انسانیت تباہ ہوتی رہی اور مذہب کے مقدس دامن کو بھی داغدار کیا گیا۔

ان تمام حادثات اور تباہیوں کی دبی راکھ میں اگر ہمیں کوئی چنگاری نظر آتی ہے تو وہ تمام مذاہب کی تعلیمات ہیں جو ہمیں بدھ، جین، زرتشت، یہودیت، عیسائیت، سکھ ازم، اور دین اسلام کے ابدی صحائف میں، اور ان پر عمل پیرا برگزیدہ شخصیتوں کے ذریعے غاروں، گپھاؤں، وِہاروں، مٹھوں، گرجاؤں، آتش کدوں، مندروں، خانقاہوں، مسجدوں اور گوردواروں جیسے مراکز اور سرچشموں سے حاصل ہوتی رہیں۔ تقویٰ، ریاضت، قناعت، ایثار، مساوات، اخوت، امن، دوستی اور خدمت خلق کے جذبے کو مذہبی سکہ کے دوسرے رخ، 'تصوف اور بھکتی' کے دبستان نے فروغ دیا۔ درباروں کی قدغن، غالی اور متشدد فضلائے عقل و دانش اور پرانے سیاست گروں کے مقابلہ میں تو ابوالحسن خرقانی جیسے تاجدار صوفیا کی خانقاہ کے دروازہ پر نقش حافظ شیرازی کے شعر ذیل کے مطابق:

Marfat.com

ہر کہ خواہد گو بیاید، ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر حاجب و دربان این درگاہ نیست

داخلہ عام تھا اور ہمارے حضرت نظام الدین اولیاء کے بقول ''روز حساب کے موقع پر اتنا اجر و ثواب کسی عمل پر نہ ملے گا جتنا بھوکوں کو کھانا کھلانے کا۔''

اگرچہ یونان قدیم سے لے کر یوروپ کے نشاۃ ثانیہ تک کی واضح تاریخ کی ترجمانی اب تک نہیں ہوسکی ہے لیکن تہذیبی لین دین کا سلسلہ ہمیشہ پرورش پاتا رہا ہے جیسے اسلامی تمدن نے یونان سے اور تمدن اسلامی نے سارے جہان کو دیا۔ غرض تہذیبیں سرچشمہ کی مانند ہیں۔ ہر ظہور پذیر تمدن سابقہ تمدن سے غذا حاصل کرتا ہے۔ خوب کو ہضم کرلیتا ہے اور ناپسندیدہ کو رد کردیتا ہے۔ آمد و رفت، آداب زندگی، زبان، علم و ادب، خورد و نوش، اقتصادیات، تجارت، فنی اور تکنیکی علوم، یہاں تک کہ مذہب، اس لین دین میں اہم کردار ہوتے ہیں۔ اس کی مثال خود ہمارا دین اسلام اور قرآن ہیں اور مشہور ایرانی مصنف کے بقول:

''(ترجمہ) اسلامی تمدن ایک ایسا تمدن تھا جس کا مرکز قرآن تھا۔ نہ شام اور نہ عراق۔ وہ قرآن جس کی قلم رَو میں نہ کوئی سرزمین تھی اور نہ ہی کوئی نسل۔ نہ شرقی کی ضرورت تھی نہ غربی کی۔ مصر میں ایک خراسانی حکمراں تھا اور ہندوستان میں ایک ترک، غزالی بغداد میں بیٹھ کر ردّ فلسفہ پر اپنے خیالات قلم بند کررہے تھے اور ابن رشد اندلس میں اس کا جواب لکھ رہے تھے۔''

(فرہنگ تمدن انسانی و جہان اسلام)

آج روابط کی دنیا میں بقائے باہم آدمیت باعالم کاری کا جذبہ عام ہے۔ تہذیبی ٹکراؤ، تجارتی اور اقتصادی تعلقات کی بنا پر ایک تمدن کو دوسرے تمدن پر فوقیت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مذہبی مقاصد اور اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے مذاہب سے، خواہ قریب ہوں، خواہ دور ہوں، مگر یہ فراموش نہ کریں کہ طرفین کو ایک دوسرے کی حیثیت اور حقیقت کا بہرحال احترام کرنا ہوگا۔

Marfat.com

علوم مذاہب کا مطالعہ وقت کی ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اس کتاب کا مقصد بھی یہی ہے کہ موجودہ دور کے حالات میں مذہبی افہام و تفہیم، امن اور سلامتی کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔

میری رائے میں ڈاکٹر رضی احمد کمال نے مذاہب کا تعارف، ان کی کتابوں اور اُن تعلیمات کو آسان پیرائے میں پیش کر کے ایک گرانقدر کام کیا ہے اور جو یقیناً ہر باشعور قاری کو بالغ نظری عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی کا ضامن بھی ہوگا۔

(ڈاکٹر) شعیب اعظمی

۱۳ر فروری ۲۰۰۵ء/ ۳ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

Marfat.com

اظہار تشکر

دورِ حاضر کے ترقی پذیر نقل وحمل اور ابلاغ وترسیل نے تمام انسانی آبادیوں کو باہم اس طرح منسلک کردیا ہے کہ پوری دنیا سمٹ کر ایک کنبہ یا برادری نظر آنے لگی ہے، اور آج دنیا کی ساری تہذیبیں، جماعتیں اور مذاہب ہر ایک دوسرے سے محسوس یا غیر محسوس طور پر متعلق ہوگئے ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے دوسروں کا مطالعہ ناگزیر ہے، مختلف انسانی جماعتوں، تہذیبوں یا پوری نسل انسانی کے مشترک مسئلوں کو عالمی پس منظر میں سمجھنے کے لیے اپنے علاوہ دوسری تہذیبی وتمدنی روایات کا مطالعہ وقت کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ اردو زبان میں ایسی کتابوں کی کمی ہے جو اس انداز پر لکھی گئی ہوں جن سے دوسری تہذیبی وتمدنی روایات کے بارے میں واضح معلومات فراہم ہوسکیں ۔تہذیبی زندگی کا ایک اہم حصہ مذہبی عقائد ہوتے ہیں۔ ایسی کتابیں جو مندرجہ بالا معیار پر دوسرے مذاہب سے متعارف کرائیں، اور بھی کم نظر آتی ہیں۔ میں نے اپنی اس دوسری تصنیف کے ذریعہ اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، نیز اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ قاری کو اس کتاب کے مطالعہ کے ذریعہ مختلف مذہبی روایات کو سمجھنے میں ہر طرح کی آسانی میسر ہو۔

اس لیے کتاب میں ان تمام مذاہب کا ایک مختصر اور جامع مطالعہ مع ان کی بنیادی تعلیمات کے ساتھ یک جا کیا گیا ہے تاکہ مختصر وقت میں ان مذاہب کو

Marfat.com

آسانی سے پڑھا و سمجھا جا سکے، مجھے امید ہے کہ میری یہ کوشش ان طلباء کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوگی جو دنیا کے مذاہب پر مطالعہ کرنے کے خواہاں ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ میری اس تیسری کاوش کی تکمیل میں محترم استاد پروفیسر اختر الواسع صاحب ڈین فیکلٹی آف ہیومینٹیز (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) کی رہنمائیوں اور مشوروں نے بڑی مدد کی ہے، (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین) میں شعبہ کے اپنے دوسرے احباب اور سینئر اساتذہ کا بھی ممنون ہوں جن کے مشوروں نے میری ہمت بڑھائی اور میں یہ کام کر سکا۔

آخر میں اپنی اہلیہ تسنیم جہاں ناہید کا میں بہت ممنوں و مشکور ہوں، جنہوں نے گھریلو مصروفیات سے مجھے فرصت دے کر اس کتاب کی تکمیل کا موقع فراہم کیا۔

ڈاکٹر رضی احمد کمال
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی۔۲۵

Marfat.com

ہندومَت

دنیا کے جن علاقوں میں انسانی تہذیب وتمدن نے سب سے پہلے پھلنا پھولنا شروع کیا، ان میں ہندوستان بھی ایک خطّہ رہا ہے، چونکہ آریوں سے پہلی کی مذہبی روایات کے سلسلہ میں کوئی قابلِ اعتماد معلومات نہیں ملتی ہیں۔ موہن جوداڑو اور ہڑپّا کی کھدائی میں جس تہذیب وتمدن کے آثار ملے ہیں، وہ اگرچہ آریوں سے قبل کی ہے، مگر آثار میں ملنے والی زبان سے کوئی خاص معلومات نہیں حاصل ہو پائی ہیں، اسی لیے اس کے بارے میں معلومات بھی محدود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آریوں کی آمد کے ساتھ ہی جو مذہبی روایات یہاں، یعنی ہندوستان میں متعارف ہوئیں، وہیں سے ہندوستانی مذاہب پر کوئی قابلِ اعتبار گفتگو کی جاسکتی ہے، لہٰذا ہم نے بھی اپنی اس کتاب میں ہندوستانی مذاہب کا ذکر وہیں سے شروع کیا ہے۔

ہندوستان چونکہ ایک قدیم ملک ہے، لہٰذا اس کی قدیم مذہبی روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، برہمنی مت اور ہندومت۔

برہمنی مت کا مطلب وہ روایات ہیں جن کا آغاز ہندوستان میں آریوں کی آمد کے بعد یعنی (تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح) سے لے کر بدھ اور جین مذہب کی عام اشاعت تک رہا، یعنی تقریباً (۴۰۰ قبل مسیح تک[1]) اس مذہبی روایت کو ویدک مت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، جس میں برہمن کو ایک خاص مرکزی حیثیت حاصل

---

[1] آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ ۱۹ "

Marfat.com

تھی، چونکہ برہمنوں کے ذریعہ ہی اس کو فروغ حاصل ہوا تھا اسی لیے اگر اسے برہمنی مت کہا جائے تو شاید کچھ غلط نہ ہوگا۔ برہمنوں نے آریوں کے مذہبی شعور کی پوری نمائندگی کرتے ہوئے قدیم مذہبی اصولوں کی رہنمائی میں اس مذہبی روایت پر اپنا اثر بنائے رکھا، اگرچہ برہمنی روایات میں تبدیلیاں ہوتی رہیں مگر اس روایت نے اپنا ویدک رنگ اُڑنے نہیں دیا۔

برہمنی مت کے زمانے میں جو مذہبی ادب وجود میں آیا، وہ سارا ویدک ادب میں شامل ہے۔ برہمنی مت اور ہندومت میں ویدکو ایک خاص مذہبی مقام حاصل ہے، اور اسے ''شُرتی'' یعنی الہامی ادب کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں شامل مذہبی حقائق کو کسی کی تخلیق نہیں سمجھا جاتا۔[1]

اگرچہ پورا ویدک ادب مقدس اور ''شرتی'' میں شامل سمجھا جاتا ہے، پھر بھی ویدوں کو مختلف بنیادوں پر مختلف قسموں میں بانٹا گیا ہے۔ ایک تقسیم ویدک ادب کی اس کے حصوں کے زمانۂ تصنیف اور ان کے موضوع کی بنیاد پر کی گئی ہے، جو قدیم آریائی دیوی دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے بھجن اور گیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد والے ویدک ادب کو ''برہمن'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ تصانیف زیادہ تر مذہبی رسومات، آداب زندگی اور قربانی وغیرہ سے متعلق ہیں۔ برہمن تصانیف کے آخری دور میں ویدک ادب کی ایک تیسری قسم کی ابتدا ملتی ہے، جو اپنے موضوع اور مذہبی فکر کے لحاظ سے پہلی دونوں قسموں سے مختلف ہے، جسے آرنیکا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ویدک ادب کی چوتھی قسم کو اُپنشد کہا جاتا ہے، جسے ویدانت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کیونکہ یہ ویدک ادب کا آخری حصہ ہے، یعنی اس پر ویدک کا انت ہوتا ہے اسی لیے اس کو ویدانت کہتے ہیں۔

اُپنشد کے بعد کی تصانیف کو جو برہمنی مت کی مقدس کتابیں کہی جاتی ہیں جیسے رامائن، مہابھارت وغیرہ، ان کو ویدک ادب کا حصہ نہیں مانا جاتا، کیونکہ انہیں

۱۔ آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ ۲۰

Marfat.com

الہامی کلام ہونے کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ یہ انسانوں کی تصانیف شمار کی جاتی ہیں۔ ویدک ادب کی یہ دوسری تقسیم جو زیادہ معروف ہے، اس کے مطابق پورے ویدک ادب کو چار ویدوں میں بانٹا گیا ہے۔

(۱) رِگ وید (۲) سام وید (۳) یُجُر وید (۴) اَتھر وید

رگ وید کا وہ حصہ جو سب سے قدیم ہے اس میں ۱۰۱۷ بھجن شامل ہیں، جن کا تعلق مختلف دیوی دیوتاؤں سے ہے۔ یہ برہمنی مت کے لیے ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے، سام وید۔ اس میں زیادہ تر رِگ وید کے ہی بھجن شامل ہیں، جنہیں مخصوص یگیہ (قربانیوں) کے مواقع پر پڑھنے کے لیے الگ کرلیا گیا ہے۔ یجروید — میں بھی کچھ اضافوں کے ساتھ رگ وید سے منتخب کردہ بھجن شامل ہیں۔ انہیں بھی قربانی یا یگیہ کے موقع پر پروہت پڑھتا ہے۔ اتھر وید اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سب سے بعد کے زمانے کا جمع کردہ ہے۔ بہت زمانے تک اسے وید میں شامل نہیں مانا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ تر جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک کے منتر شامل ہیں۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں عوامی رجحانات کی نمائندگی ہوتی ہے، جب کہ پہلے تینوں وید سماج کے اعلیٰ طبقوں کے مذہبی رجحانات کے آئینہ دار ہیں۔

الغرض اُپنشد کے ساتھ ہی ویدک ادب، جس کو برہمنی مت اور ہندو مذہب میں الہامی ہونے کا درجہ حاصل ہے، کا دور ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد جو ادب تصنیف ہوا وہ ''سِمرتی'' کہلاتا ہے، اس لیے کہ اس کو انسانوں کا تصنیف کردہ سمجھا جاتا ہے، اسی لیے تقدیس میں اسے وہ درجہ حاصل نہیں جو ویدک ادب کو حاصل ہے۔

اس طرح برہمنی مت کے سلسلہ میں اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مذہبی روایت میں ایک تدریجی ارتقاء ہے، جو ۱۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۰۰ قبل مسیح تک جاری رہا۔ اس ایک ہزار سالہ فکری سفر میں مخصوص

Marfat.com

صفات کا حامل ایک مذہبی ادب وجود میں آیا، جو بعد میں ہندو روایتوں کے گونا گوں مظاہر کی بنیاد بنا۔

رامائن اور مہابھارت کا زمانہ

۵۰۰ قبل مسیح کے قریب ویدک دور کے ختم ہونے سے لے کر (۴۰۰ عیسوی) تک کے دور کو رزمیہ نظموں یا رامائن اور مہابھارت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دور اپنی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی خصوصیات کے لحاظ سے ویدک دور سے کافی مختلف اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس رزمیہ نظموں کے دور میں ویدک عہد سے مختلف آریائی سماج اور بدلی ہوئی برہمنی روایات کا وجود ملتا ہے۔ اس دور کے سماج اور مذہبی رجحانات کا صحیح اور واضح اندازہ اُن کی دو رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت سے بخوبی ہوسکتا ہے، یعنی اس دور کے معاشرتی اور مذہبی مطالعہ کے لیے یہ دونوں نظمیں اہم ترین ماخذ ہیں۔

مہابھارت

یہ دونوں رزمیہ نظمیں دراصل زیادہ طویل اور مختلف قسم کے کردار رکھنے والی تصانیف ہے۔ ویدوں سے مختلف، سنسکرت میں لکھی ہوئی یہ طویل نظم اپنے دور کے ہندوستان کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اس نظم کا مرکزی قصہ راجا بھرت کے اخلاق کوروں اور پانڈوؤں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ سے متعلق ہے، نیز اس کتاب میں بہت سی غیر متعلق روایات اور دوسرے قصے اور واقعات بھی موجود ہیں۔ یہ نظم قدیم ہندوستان سے متعلق معلومات کا خزانہ کہی جا سکتی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نظم کے مرکزی واقعات میں برابر اضافے ہوتے رہے، قدیم ہندوستان کے اور بھی بہت سے رائج قصوں اور روایات کو اس میں جگہ دی جاتی رہی، اس طرح اس میں تقریباً ایک لاکھ اشعار جمع ہوگئے۔

Marfat.com

رامائن کے مقابلہ میں مہا بھارت زیادہ قدیم ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔

رامائن

رامائن ایک شخصیت یعنی رام چندر جی اوران سے متعلق لوگوں کے بارے میں ایک مربوط قصہ ہے۔ مہابھارت کے مقابلہ میں یہ زیادہ ترقی یافتہ، مہذب اور با اخلاق معاشرہ کی عکاسی کرتی ہے، اسی لیے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رامائن کے مرکزی واقعات مہا بھارت کے بعد کے دور سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن عام طور پر رامائن کو مہابھارت کے مقابلہ میں زیادہ قدیم تصور کیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مہابھارت اور رامائن، دونوں ہی شاہکار آریہ اور غیر آریہ ہندوستانی عناصر کی آمیزش سے ابھرتے ہوئے اور برہمنی مت کے زیر سایہ پروان چڑھتے ہوئے، ہندو مذہب کے ابتدائی دور کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یعنی ہندو مذہب کے ارتقاء کے ایک ہی دور کی داستان سناتے ہیں۔ مہابھارت اور رامائن اس وقت وہ سب سے قدیم اور اہم ماخذ ہیں جن میں ہندومت کے اہم فرقوں مثلاً وشنومت، شیومت اور شکتی مت کے علاوہ دیگر بہت سے مشہور دیوی دیوتاؤں کا واضح اور بھرپور تذکرہ ملتا ہے۔ مہابھارت کا ہی ایک حصہ اُس مشہور ومعروف فلسفیانہ وعظ پر مشتمل ہے جو بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہے۔

بھگوت گیتا، جس کو شری کرشن جی کے بیان کے پیرایہ میں لکھا گیا ہے، اپنے وقت کے ترقی پذیر فلسفیانہ اور مذہبی افکار کا نچوڑ کہی جاسکتی ہے۔ یوں تو گیتا کو الہامی درجہ تو حاصل نہیں ہے، مگر عملی اعتبار سے اس کو ویدوں سے کم اہمیت والا درجہ نہیں دیا جاتا۔ ہندومت میں موجود اہم مذہبی تصورات کی جانکاری کے لیے یہ ایک بہترین دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہم ان مذہبی اور فکری تصورات پر نظر ڈالیں جو مہا بھارت اور رامائن کے زمانے میں ترقی پذیر تھے، تو وہ ہم کو نئی ابھرتی ہوئی ایک مذہبی روایت (ہندومت) کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

نئے دیوی دیوتاؤں کا ظہور

ویدک دور کے برعکس، جس میں کائنات کی فطری قوتوں سے متعلق مختلف دیوی دیوتا اہمیت رکھتے ہیں، مہابھارت اور رامائن میں کچھ نئے دیوی دیوتا مذہبی زندگی پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسے برہما، شیو، وشنو اور ایک دیوی ماں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ برہما، شیو اور وشنو کو 'تری مورتی' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

برہما اور وشنو اگرچہ ویدک ادب میں بھی مذکور ہیں، مگر مہابھارت اور رامائن میں ان کی حیثیت میں نمایاں تبدیلی ملتی ہے۔ برہما، جسے ویدک ادب کے آخری دور میں سب سے عظیم دیوتا کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، رامائن اور مہابھارت میں صرف کائنات کی تخلیق کے ذمہ دار دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے۔ وشنو اور شیو کے مقابلہ میں برہما اپنا ویژن بدستور کھوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عوام کی عقیدت کے اصل مرکز اور مذہبی عظمت کے اصل حقدار وشنو اور شیو چمکتے رہ جاتے ہیں۔

'تری مورتی' کے تصور میں اگر برہما کائنات کی تخلیق کا ذمہ دار ہے تو کائنات کی بقاء اور پرورش کی ذمہ داری وشنو کے سر ہے، جس کی شخصیت کے تصور میں جمال کا پہلو غالب معلوم ہوتا ہے۔

شیو اپنی صفات کے لحاظ سے وشنو سے مختلف دیوتا ہے۔ وشنو کو اگر جمال کا مظہر سمجھا جائے تو شیو اُلوہی طاقت کے قہر و جلال کی تجسیم ہے۔ اس کی شخصیت میں صفتِ بے نیازی، ماورائیت، انفرادیت اور پُر اسراریت بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وشنو اگر اپنی ہمدردانہ صفات سے دلوں کی تسلی کی باعث بنتا ہے تو شیو اپنی بے نیازی اور جلال سے دلوں کو دہلا کر لوگوں کے سروں کو اپنے آگے خم کرالیتا ہے۔ وشنو اور شیو کی طرح، کسی نہ کسی صورت میں دیوی ماں کی پرستش بھی ہندومت کا مقبول ترین تصور ہے۔ دیوی ماں کے مظاہر میں پاروتی یعنی شیو کی بیوی کی حیثیت کالی کی حیثیت، نیز تانترک فرقہ کی دیوی بھیرویں کی حیثیتیں کافی اہم ہیں، اور کہیں

Marfat.com

بھوانی کی صورت میں جرائم پیشہ لوگوں کی معبود سمجھی جاتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رزمیہ نظموں کے دور کے ابھرتے ہوئے دیوتاؤں میں وشنو، شیو اور دیوی ماں نے نئے ہندومت کے عظیم ترین دیوتاؤں کی حیثیت حاصل کرلی، یہی نہیں ان میں سے ہر ایک کے نام پر ہندومت میں بہت سے فرقے وجود میں آگئے، اور برہما دھیرے دھیرے پس منظر میں چلا گیا۔ عہد وسطیٰ کے ہندومت کی تاریخ درحقیقت انہیں دیوتاؤں سے وابستہ فرقوں کے نشوونما کی داستان ہے، اسی لیے رزمیہ نظموں کے بعد کے ابھرنے والے مذہب کو نیا ہندومت یا فرقہ بندیوں کا ہندومت کہا جاسکتا ہے۔

ویدک رسومات میں قربانی یا یگیہ کو جو مرکزی حیثیت حاصل تھی، وہ نئے ہندومت میں ختم ہوگئی، بلکہ وشنومت میں تو اس کی مخالفت کی گئی اور اس کی جگہ پوجا کو ایک مرکزی مذہبی رسم کا درجہ حاصل ہوگیا۔

اس نئے ابھرتے ہوئے ہندومت کی ایک بڑی خصوصیت، جو اس کی مقبولیت اور نشوونما کا بڑا سبب بنی، وہ اس کی مختلف روایتوں کو اپنے افکار ورسومات میں سمو لینے کی صلاحیت تھی۔ اس کے برخلاف قدیم برہمنی مت پر مکمل طور پر برہمنوں کی اجارہ داری تھی، اس میں آنے والی ہر تبدیلی کے لیے برہمن ہی ذمہ دار تھے، اس مت کا دائرۂ عمل صرف سماج کے اعلیٰ طبقہ تک محدود تھا، سماج کے درمیانی اور نچلے طبقے نہ تو اُس سے براہ راست استفادہ کرسکتے تھے اور نہ ہی برہمنی مت کو ان کی مذہبی ضرورتوں سے کوئی دلچسپی تھی، یعنی یہ صرف برہمن طبقہ کا ہی مذہب بن کر رہ گیا تھا۔

ہندومت اس کے برخلاف ایک عوامی مذہب تھا۔ اس کے عقائد ورسومات سب کے سب اس طرح کے تھے جو عوام کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے ایک عرصہ تک ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کے غلبہ کے بعد، ہندومت کا ارتقا برہمنی مت کو ایک عوامی رنگ دینے کی کوشش کہا جائے گا، اس

Marfat.com

لیے کہ ان حالات میں برہمنی مت نے یہ سوچ لیا تھا کہ اب ہندوستان میں اس کی بقا اور نشوونما ایک عوامی رنگ اختیار کرانے پر ہی منحصر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رامائن اور مہابھارت میں ابھرتے ہوئے عوامی عقائد ورسومات کی ہمت افزائی خود برہمن عالموں نے کی، نیز ان کی ترقی اور نشوونما میں بھرپور حصہ لیا، اس لیے ہندومت برہمنی مت سے مختلف ہونے کے باوجود برہمنی مت کا وارث یا اُس کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ خود ہندو روایت کے عقیدے کے مطابق وہ ویدک اور برہمنی روایت کے تسلسل کا ہی نام ہے، اسی لیے ہر ہندو عقیدے اور رسم کی سند، ویدک ادب سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ویدوں کا تعلق ہندومت سے حقیقی کے بجائے رسمی زیادہ ہے، کیونکہ ہندو روایت کا ارتقا ہی ویدوں کے تسلط سے آزاد رہ کر ہوا ہے۔[1]

ہندومت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ذیل میں ہندومت کے ان اہم فرقوں کو دیکھیں گے جن پر عہد وسطیٰ کے پورے دور یعنی ۵۰۰ عیسوی سے دور جدید تک ہندومت کی بنیاد رہی ہے۔

ہندومَت میں فرقہ بندی کا آغاز

ہندومت کے جو مذہبی رجحانات مہابھارت اور رامائن میں ملتے ہیں، موجودہ دور کے ہندو مذہب کی بنیاد انہیں مذہبی رجحانات اور رسومات پر مبنی ہے۔ یہ عقائد ورسومات پُرانوں کے عہد میں بامِ عروج پر تھے۔

پُران ہندو روایات کی سب سے مقدس اور آخری تصانیف ہیں جو ہندو دیو مالائی عناصر کے ذریعہ مذہبیات کو پائے استقامت بخشتی ہیں۔ دورِ قدیم میں پُرانوں کے لیے عناصر خمسہ کو ضروری قرار دیا گیا تھا، کیونکہ ان کی حیثیت بنیاد کی سمجھی گئی تھی، لیکن بعد کے پُرانوں میں ان اصولوں کی پابندی بہت کم نظر آتی ہے۔

---

۱ آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ نمبر ۴۳

Marfat.com

ہندومت عہدوسطیٰ تک پوری طرح فرقوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔ یہ تقسیم اچانک نہیں تھی، بلکہ رزمیہ نظموں کے عہد سے ہی اس کا آغاز ہوچکا تھا۔ برہما، وشنو اور مہیش جنہیں 'تر مورتی' کہا جاتا ہے، کے ساتھ ساتھ ایک دیوی ماں بھی منظر عام پر آکر غیر معمولی مقبولیت کی حامل بنیں، جب کہ برہما عوام کے ذہنوں کو مسخر کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا، اتنا ضرور ہے کہ برہما کی حیثیت ہندو دیومالا میں ایک مستند ومعروف دیوتا کی ہے۔ سوائے برہما کے مندرجہ بالا سبھی دیوتاؤں کے نام پر ہندومت میں فرقے وجود میں آئے۔ ہندومت دراصل برہمنی مت ہی کی توسیع کا نام ہے۔ ان فرقوں کی تعمیر اور نشوونما، ہندومت کے عظیم دیوتاؤں کا وجود میں آنا، اور پھر عوام میں قبولیت کی سند حاصل کرنا، ان سب کاموں میں ایک لمبا عرصہ لگا۔ عہدوسطیٰ کی تاریخ درحقیقت انہیں فرقوں کے آغاز و عروج کی داستان کے بجز اور کچھ نہیں۔

قدیم برہمنی اور ویدک دھرم میں جو فرق تھا، اس کے بارے میں صرف اتنا اشارہ کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ ویدک رسومات یعنی یگیہ یا قربانی کو قدیم برہمنی مت میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، جب کہ نئے ہندومت میں یگیہ کو بالکل ہی ختم کردیا گیا۔ حدتو یہ ہے کہ وشنومت قربانی سے اس قدر متنفر ہوا کہ قربانی کی مخالفت کرنا ان کے یہاں ایک فریضہ سمجھا جانے لگا۔

ویدک دھرم میں قربانی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہ فریضہ صرف برہمنوں کے ذریعہ ہی صحیح طور پر ادا ہوسکتا تھا۔ مذہبی رسومات صرف قربانی کے ذریعہ ہی ادا ہوسکتی تھیں۔ دیوتا قربانی کے بس میں تھے۔ دیوتا کا قرب حاصل کرکے کوئی بھی منصب ومقصد حاصل کیا جاسکتا تھا، قربانی کے مقابلے کسی اور طریقۂ عبادت کی کوئی حقیقت نہ تھی، جب کہ پوجا کے ذریعہ صرف دیوتا کی عقیدت ومحبت ہی حاصل کی جاسکتی تھی۔ ویدک عہد میں برہمنوں کی حیثیت کلیدی تھی۔ برہمن علماء ہی دھرم کے اصول وضوابط کی ترتیب وترمیم یا تنسیخ کے ذمہ دار

Marfat.com

تھے۔ یعنی کوئی بھی عمل جس کا تعلق براہ راست مذہب سے ہو یا زندگی کے کسی شعبے سے ان کے عمل دخل کے بغیر پائے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

جین اور بودھ دھرم نے جب ہندوستان میں تبلیغ واشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے اپنا مرکز ومحور ان طبقوں کو بنایا جنہیں برہمنی مت ذلیل وکمتر سمجھتا تھا۔ لہٰذا مہاتما بدھ نے جب مساوات کا نعرہ بلند کیا تو لوگ جوق در جوق ان کی پناہ میں آنے لگے اور مختصر سے عرصے میں بدھ مذہب ہندوستان کا ہر دلعزیز مذہب بن گیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس مذہب کے مبلغین نے اپنے خیال کے اظہار کا ذریعہ مقامی بولیوں کو بنالیا تھا، جب کہ برہمنی مت کی زبان خالص آریائی یعنی سنسکرت تھی، جو کہ اعلیٰ طبقے تک محدود تھی۔ ویدک دھرم اب حاشیے پر چلا گیا تھا یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ برہمنی مت ایک بے نور چراغ بنتا جارہا تھا۔ بدھ اور جین مت سے محصور برہمنی مت آخر کار یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ہندوستان میں مقبولیت اب اسی حالت میں حاصل ہوسکتی ہے جب کہ اس کی بقاونشوونما ایک عوامی شکل اختیار کرلے۔

نئے ہندومت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے اندر تمام رسومات وروایات کو سمو لینے کی غیر معمولی صلاحیت موجود تھی، اور یہی اس کی مقبولیت کی ضامن بنی۔ ہندومت میں شمولیت کے لیے کسی طرح کی کوئی شرط نہیں رکھی گئی تھی۔ کوئی شخص بھی خواہ، وہ کسی قبیلے، کسی ذات، کسی مذہب اور کسی نسل سے متعلق ہو، اپنے مذہبی عقائد ورسومات کے ساتھ اس نئے مذہب میں داخل ہوسکتا تھا۔ برہمنی مت کا تعلق براہ راست اعلیٰ طبقے سے تھا، جب کہ ہندومت میں تمام طبقات کے لوگ شامل ہونے لگے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو پہلے نہ تو اس مذہب سے مستفید ہوسکتے تھے اور نہ ہی برہمنی مذہب کو ان کی ضرورتوں سے کوئی دلچسپی تھی۔ سماج کی وہ ذاتیں جو برہمنی مت میں حقیر سمجھی جاتی تھیں، وہ تمام اس مسلک کے سارے مذہبی معاملات سے ہمیشہ دور رکھے گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندومت کا

Marfat.com

ارتقاء برہمنی مت کے عوامی رنگ اختیار کرنے کی ہی کوشش کا نتیجہ تھی۔

مہابھارت اور رامائن عہد کے تمام مذہبی عقائد اور سماجی روایات کی برہمن عالموں نے نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ ان کے ذریعہ برہمنی مت کی تائید اور سند قبولیت بھی بخشی۔

ہندومت نے تمام نسلی، قبائلی ومقامی عقائد و رسومات کو جگہ دے کر اپنے دائرے کو اس طرح پھیلایا کہ ہندومت میں متضاد خیالات وافکار رکھنے والے سبھی لوگ اپنے اپنے دیوتاؤں کے ساتھ اس میں شامل ہوتے گئے، یہی وجہ ہے کہ اس مذہب میں اپنے اپنے دیوتاؤں سے عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے دیوتاؤں کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنی ضرورتوں کے واسطے ہر فرقہ اپنے دیوتا کی طرف رجوع کرتا اور اسی کو خالق کائنات سمجھتا ہے۔ اس طرح اس مذہب کی ایک اہم خصوصیت سب دیوتاؤں کی تعظیم وتکریم کا جذبہ تھا۔ ہر ہندو وقتاً فوقتاً سبھی دیوی دیوتاؤں سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا تھا۔ ہر فرقہ اپنے معبود کو معبود حقیقی اور بقیہ دیوتاؤں کو اس کا روپ سمجھتا تھا۔ شیو کے بھکت وشنو اور دیوی ماں کو اس کا اوتار یا شیو کی ہی مختلف صفات کا ظہور سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وشنو کے بھکت شیو اور دیوی ماں کو وشنو کی مختلف صفات کا ظہور یا اوتار سمجھتے ہیں۔

ہندومت میں ایک خصوصیت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ مختلف دیوتا جو مخصوص نسلی اور تہذیبی روایتوں کی دین ہیں، ان کے اتحاد سے ہی کسی ایک دیوتا کی تخلیق ممکن تھی، اور بعض اوقات کسی ایک دیوتا کی مختلف صفات یا اس کے مختلف مظاہر میں ان دیوتاؤں کا نشان مل سکتا تھا، جن کے باہم اتحاد سے اس دیوتا کی شخصیت کی تکمیل ممکن تھی۔

برہمنی مت میں جہاں خالص آرین ثقافت کی نمائندگی ہوتی تھی وہیں جب ہندومت نے غیر آریائی قبائل کو جگہ دینا شروع کی تو اس میں برہمن اثرات کے ساتھ ساتھ مقامی قبائل کے مذہبی عقائد، رسومات بھی جگہ پانے لگے۔ پھر بھی ان

Marfat.com

سب میں برہمنی مت اور ان کے عقائد کو اولیت حاصل رہی۔ .....

..... ہندومت میں 'ترمورتی' کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ تر یعنی ان تینوں کے نام پر تین فرقے وجود میں آگئے۔

ہندومت میں شیو کو بہت اہمیت حاصل ہے جس کی طاقت اور اوصاف کا ذکر اکثر و بیشتر لوگوں کی زبانی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ مہابھارت اور پُرانوں میں بھی اس کے بارے میں بہت سارے قصے کہانیاں بھری پڑی ہیں۔ دوسرے دیوتاؤں سے اگر ہم شیو کا موازنہ دوسرے دیوتاؤں سے کریں تو یہ بے شمار مافوق الفطرت اور متضاد قوتوں کا حامل نظر آتا ہے۔ جہاں ایک طرف اس کو کائنات کی فنا و بقا کا ضامن کہا جاتا ہے، اور اس کی شبیہہ نہایت پُر ہیبت، گلے میں سانپ، جسم پر شیر کی کھال، انسانی کھوپڑیوں کی مالا کے ساتھ پُرغضب نظر آنے والی ہے، وہیں دوسری طرف وہ مقدس پاکیزہ اور خوبصورتی کی شبیہہ والی ایک ذات بھی تصور کی جاتی ہے۔ وہ انسانوں کی طرح خاندان رکھتا ہے، غیب کے رازوں سے واقف اور حاضر و ناظر ہے۔ تصویروں میں وہ ایک مراقب اور تپسوی نظر آتا ہے۔ شیو کی یہ شبیہہ مقبولِ عام ہے۔ رقص و موسیقی کا دلدادہ، نرم دل اور اپنے بھکتوں کی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔ شیو کے پرستار 'شیومت' کے علمبردار کے طور پر مشہور و معروف ہیں۔

ویدک عہد کے آخر میں وشنو نارائن، کرشن اور واسودیو کی شخصیتوں کے باہم اتصال سے عوام کا ہر دلعزیز دیوتا بن گیا۔ اس طرح انہیں ایک ایسا عوامی دیوتا مل گیا، جس سے ہندومت میں غیر آریائی عناصر کی شمولیت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

مہابھارت کے قصے میں جہاں کرشن کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے، وہیں کرشن واسودیو کے معتقدین میں وحدانیت اور عشق حقیقی (بھکتی) اور سچی عقیدت پر زور دیا گیا ہے۔ 'بھگوت گیتا' ایک غیر معمولی اور لافانی تصنیف ہے، جس نے وشنو تحریک کو مزید تقویت بخشی۔

113434

Marfat.com

اس مت کی دوسری اہم تصنیف بھگوت پُران، آٹھویں صدی عیسوی میں تصنیف کی گئی جس سے کرشن کی زندگی پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ کرشن واسودیو کی والہانہ عقیدت میں جہاں تصوف کی بنیاد پڑی وہیں شمال وجنوب میں بے شمار فلسفیانہ تصانیف عالمِ وجود میں آئیں۔ نیز شمالی ہندوستان کے عوام نے والہانہ بھکتی کے اس رجحان کو ہاتھوں ہاتھ لیا جس نے وشنومت کے عقیدت مندوں کے ذریعہ فروغ پایا تھا، اور پھر وشنومت کی یہ شکل ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی یہاں تک کہ وشنومت کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہ ہندومت کا غالب ترین فرقہ بن گیا۔

شیومت

شیو کے بارے میں خیال ہے کہ یہ ہندوستان کے قدیم ترین دیوتاؤں میں سے ہیں۔ وادی سندھ کی تہذیب سے متعلق جو آثار قدیمہ ملے ہیں، ان میں ایسی مہریں ملی ہیں جن پر شیو کی خصوصیات رکھنے والے ایک دیوتا کی شبیہ نقش ہے۔ اس بناپر یہ سمجھا گیا ہے کہ شیو یا اس سے ملتے جلتے ایک دیوتا کی پرستش آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال قبل بھی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ ابتدائی ویدک ادب کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آریہ بھی اپنے ساتھ ہندوستان میں ایک ایسے دیوتا کا تصور لے کر آئے تھے، جس کی خصوصیات بہت حدتک قدیم ہندوستانی دیوتا شیو سے ملتی جلتی تھیں، جو 'رُدر' کے نام سے مشہور تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آریوں اور ہندوستان کے قدیم باشندوں کے باہمی اختلاط کے نتیجہ میں محسوس کیا گیا کہ رُدر اور ہندوستان کا شیو ایک ہی شخصیت کے دونام ہیں، یہی وجہ تھی کہ ویدک دور کے آخر میں رُدر شیو نام کا ایک دیوتا منظر عام پر ملتا ہے، جس میں شیو اور رُدر کی شخصیتیں جذب ہوگئی ہیں، اور جو دونوں کی خصوصیات کا حامل ہے۔ ویدک عہد سے گزر کر جب رزمیہ نظموں کا دور آیا تو مہا بھارت میں پہلی بار شیو اپنی الگ

Marfat.com

خصوصیات کے ساتھ ایک مکمل شخصی دیوتا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہاں شیو کو اگر چہ ایک عظیم دیوتا کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اور اس کی مخصوص صفات سے متعلق مختلف دیو مالائی کہانیاں بھی بیان کی گئی ہیں، تاہم شیو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا پتہ اس فرقے کے ذکر سے بھی چلتا ہے جو شیو کو پشوپتی کی شکل میں ماننے والے بھگتوں کا تھا۔ شیو کی شخصیت کو مزید مقبولیت اور ترقی اس وقت ملی جب رزمیہ نظموں کے دور کے بعد پُرانوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہندومت کے دوسرے فرقوں کی طرح شیو کے پرستاروں نے بھی ایسے پُران تصنیف کیے جن کا محور ان کا اپنا دیوتا شیو تھا، اور جن میں شیومت کے مخصوص نظریات کی تبلیغ شامل تھی۔[1]

شیو کی جو تصویر مہابھارت اور پُرانوں میں بیان کیے گئے قصوں اور تذکروں سے سامنے آتی ہے، وہ متضاد صفات کا ایک مجموعہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف وہ 'تری مورتی' میں کائنات کو فنا کرنے والا اس کی بربادی کا ذمہ دار دیوتا تصور کیا جاتا ہے، دوسری طرف متعدد تذکروں میں اس کی پاکیزگی، تقدس اور ذاتی حسن و جمال کی قسم بھی کھائی گئی ہے۔ اسے اپنے بھکتوں کی مرادیں پوری کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف اس کو جلال و غضب سے بھرا ہوا دیوتا مانا جاتا ہے، تو دوسری طرف اسے ایک نرم مزاج دیوتا بھی سمجھا گیا ہے، جسے خوش کرنے کے لیے تلسی کے چند پتوں کا نذرانہ ہی کافی ہے۔

شیو کی شخصیت کے تصور میں تنوع اور اس کی مختلف قسم کی شخصیات کا اس سے اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہندومت میں شیو کی آٹھ صورتیں مستند مانی جاتی ہیں، ان آٹھ صورتوں کے مطابق وہ مختلف اوقات یا مختلف حلقوں میں پوجا جاتا ہے۔

۱۔ پرتیما بوس 'دی ہندو ریلجس ٹریڈیشن' الائڈ پبلیشر، نئی دہلی ۱۹۷۸ء صفحہ نمبر ۴۴۔۲۴۳

Marfat.com

ویشنومَت

ابتدائی ویدک ادب میں وشنو ایک کم اہمیت والے دیوتا کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اپنی اصلیت کے لحاظ سے یہ ایک آرین دیوتا ہے۔ ویدک دور کے آخر میں وشنو کی اہمیت بتدریج بڑھنے لگی تھی، یہاں تک کہ ویدک دور کے آخر تک وہ خدائے مطلق کا مقام حاصل کر چکا تھا۔[1]

وشنو کی مقبولیت کی تاریخ میں دوسرا اہم موڑ اس وقت آیا کہ جب وشنو کو کرشن واسودیو کی شخصیت سے ملا دیا گیا، اور پھر تیسری صدی قبل مسیح تک وشنو نارائن جو ۵۰۰ قبل مسیح سے پہلے کا ایک دیوتا ہے، اور کرشن واسودیو کو ایک دیوتا تسلیم کرلیا گیا۔ کرشن واسودیو ایک غیر آریائی قوم یادو کا قبائلی دیوتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یادوؤں کے علاوہ دوسرے ہندوستانی عوام بھی کرشن واسودیو کے حلقۂ اثر میں آتے جارہے تھے۔ وشنو نارائن اور کرشن واسودیو کا انضمام دونوں فریقوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ برہمنی مت جو بدھ مت اور جین مت کی عوامی مقبولیت سے پریشان ہوکر عوام میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا، اسے کرشن واسودیو میں ایک ایسا عوامی دیوتا مل گیا جسے وشنو کے اوتار کی صورت میں اپنا کر غیر آریہ عناصر کو بھی برہمنی حلقۂ اثر میں آسانی سے شامل کرلیا گیا۔ اس طرح وشنومت کو کرشن پرستی کا مذہب بن کر خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ مہابھارت کے مختلف حصوں کا مطالعہ اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مہابھارت، جو ابتداء میں ایک غیر جانبدار تصنیف تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وشنو عقائد اور نظریات سے بھر دی گئی، اور اپنی موجودہ صورت میں وہ بلاشبہ وشنومت کی طرفدار تصنیف بن گئی ہے۔ چنانچہ مہابھارت کا وہ اہم ترین حصہ جس میں وشنو عقائد اور سری کرشن کے کردار کو پوری طرح نمایاں

---

[1] آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ نمبر ۴۷

Marfat.com

کیا گیا ہے، وہ بھگوت گیتا کے نام سے موسوم ہے، مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ مہابھارت میں یہ اضافہ بعد کے کچھ ویشنوئی علماء کی دین ہے جنہوں نے وشنومت کے ارتقاء میں اہم رول ادا کیا ہے۔ بھگوت گیتا میں سری کرشن کو وشنو کے اوتار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

بھگوت گیتا میں برہمنی قربانیوں پر مبنی رسومات کے بجائے کرشن کی عبادت کے لیے عشق حقیقی (بھکتی) پر زور دیا گیا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ وشنومت نے ہندوستانی مذاہب میں اپنا ممتاز مقام بنالیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہی عوامی حلقوں میں وشنومت کے اثرات بڑھنے لگے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جنوبی ہندوستان، خاص طور پر مدراس کے سنت شاعروں نے جو الور سنتوں کے نام سے مشہور تھے، اپنی صوفیانہ شاعری میں وشنو اور اس کے اوتار کرشن کو معبود حقیقی مان کر ان کے لیے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ یہ شاعری اور ان سنتوں کے جذبات عوام کے لیے بہت پُرکشش اور پُرتاثیر ثابت ہوئے۔ وشنومت کی ایک دوسری اہم ترین تصنیف بھگوت پُران اسی آٹھویں صدی عیسوی میں جنوبی ہندوستان میں تصنیف ہوئی۔ اس کا اہم حصہ وہ ہے جہاں سری کرشن سے گوپیوں کی والہانہ محبت کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تصنیف پورے طور پر کرشن بھکتی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، اور عشق حقیقی کے اس رجحان کو تقویت دیتی ہے جس کی ابتداء الور سنتوں نے کی تھی۔ دسویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی کے دوران جنوبی ہند میں وشنومت کے ایسے مفکر پیدا ہوئے جن کے ذریعہ بھکتی کے فلسفیانہ خیالات کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی، جن میں رامانج اچاریہ اور مادھوا چاریہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ جس زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں بھکتی کا فلسفیانہ پہلو موضوع بحث تھا، اسی وقت بھکتی کے رجحان نے شمالی ہندوستان کا رُخ کیا، جہاں مسلم صوفیاء ہندوستانی عوام کے سامنے عشق حقیقی کا اسلامی نمونہ پیش کر رہے تھے۔ شمالی ہندوستان کے عوام نے بھی بھکتی کے والہانہ رجحان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بہت

Marfat.com

بلد اس کے سنتوں کے ہاتھوں وشنومت کی یہ شکل شمالی ہندوستان کے کونے کونے
ں پھیل گئی۔ چودھویں صدی عیسوی میں رامانند اور ان کے شاگردوں سے متعلق
نتوں نے جیسے روی داس، کبیر، دھرم داس، تلسی داس، میرا بائی، نام دیو اور سری
یتنیہ وغیرہ کے ذریعہ بھکتی کو اور وشنومت کو وہ مقبولیت عطا ہوئی کہ جس نے
شنومت کو ہندومت کا غالب ترین فرقہ بنادیا۔

یوی مَت

شیو کی پرستش کی طرح ہندوستان کے قدیم ترین مذہبی عقائد میں ایک
یوی کا تصور بھی رہا ہے، کیونکہ ہندوستانی تہذیب کے آثار کی کھدائی میں شیو جیسے
یک دیوتا کی تصویروں کے علاوہ ایک دیوی کی مورتیاں بھی ملی ہیں، جو شاید خوشحالی
ور زرخیزی کی دیوی کی حیثیت سے پوجی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ
یوی، ایک دیوی ماں کی صورت میں جو حقیقت الٰہیہ کے تصور کا مظہر تھی۔ بہر حال
یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ایک دیوی ماں کی حیثیت سے کائنات کی حقیقت
علیٰ کا تصور ایک قدیم تصور تھا۔ خود آریوں کے یہاں بھی کائنات کی مختلف طاقتوں
کو دیویوں کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔ ویدک ادب میں اسی لیے بہت سی قوتوں
سے متعلق مختلف ناموں کے ساتھ دیوی کا ذکر ملتا ہے۔ مہابھارت میں دیوی
کا تذکرہ دُرگا کی حیثیت میں ملتا ہے، جو سری کرشن کی بہن ہے۔ کہیں شیو جی کی
پوس اُما کی صورت میں ہے تو کہیں اسے کالی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔
ویدک اور رزمیہ نظموں کے دور کے بعد جب پُرانوں کے دور میں داخل ہوتے ہیں
تو ہندومت کی مذہبی کتابوں میں دیوی ماں اور اس کی شخصیت کی تفصیلات زیادہ
بڑے پیمانے پر ملتی ہیں، مثلاً کہیں دیوی کو تری مورتی کے تینوں دیوتاؤں کی شکتی
کے طور پر پیش کیا گیا ہے تو کہیں کالی کی صورت میں دیوی کو شیو کی پوشیدہ قوت
کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دیوی ماں حقیقت اعلیٰ

Marfat.com

کے مظہر کی حیثیت سے کالی اور دُرگا کی حیثیتوں میں زیادہ پوجی جاتی ہے۔

ہندومت میں مذہب کا مقصود ابتدائی زمانہ میں فرد کی اپنی بھلائی، اور بعد کے دور میں فرد کی اپنی نجات (موکش) رہا ہے، شاید اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندومت ایک انفرادیت پسند مذہبی روایت ہے، جس میں سماجی زندگی کی اصلاح اور بہتری کو مذہب کے اہم مقاصد میں شامل نہیں سمجھا گیا ہے۔[1]

ہندو مفکرین اور مذہبی علماء کے ایک طویل مدتی قبول شدہ اجماع کے ذریعہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ انسانی زندگی کے یہ چار مقاصد انسانی زندگی میں اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱) دھرم (اصولوں پر مبنی انفرادی اور اجتماعی زندگی)

(۲) اَرتھ (دولت اور طاقت کا حصول)

(۳) کام (زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوزی)

(۴) موکش (کرم اور آواگون کے پھندے سے نجات اور ابدی مسرت کا حصول)

ان میں آخری، یعنی موکش کو زندگی کا اعلیٰ ترین نصب العین ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ ہندو قانون کی کتابوں میں دھرم کو وَرَن آشرم یعنی ذات پات کے نظام (وَرَن) اور انفرادی زندگی کے مختلف مدارج (آشرم) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہندو فقہ اسی وَرَن آشرم (دھرم) کے قوانین اور ضوابط کی تدوین وترتیب کا نام ہے۔

○○○

۱۔ آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ ۵۲

Marfat.com

بُدھ مَت

دنیا کی مذہبی تاریخ میں چھٹی صدی قبل مسیح کا زمانہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں ایسی کئی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے دنیا کی مذہبی تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ہندوستان میں اس صدی کے دوران جین مت اور بدھ مت جیسے دو بڑے مذاہب نے جنم لیا۔ بدھ مت جو اس وقت ایشیا کے بہت سے ممالک کی اکثریت کا مذہب ہے۔ یہ کبھی اپنے ماننے والوں کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب رہ چکا ہے، جس کے دائرۂ اثر میں ایشیا کا پورا براعظم شامل تھا۔ اس وقت جاپان، کوریا، منچوریا، منگولیا، چین، ویت نام، تھائی لینڈ، برما، تبت، نیپال اور سری لنکا میں یہ ایک زندہ مذہب کی طرح پھل پھول رہا ہے۔ یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہی کہی جائے گی کہ جو مذہب ہندوستان میں پیدا ہوا، وہ آج اپنے ہی وطن میں ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے تقریباً ناپید ہے، بہرحال بدھ مذہب ہندوستان سے نکل کر جہاں جہاں بھی گیا، اپنے ساتھ اس ملک کی تہذیب کے بعض عناصر کو بھی لیتا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے نشانات مشرق بعید، جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے مقامی تمدن میں جھلکتے نظر آتے ہیں۔

گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت تک ملک میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں، جن میں کچھ جمہوریتیں اور کچھ بادشاہتیں تھیں۔ شمالی ہندوستان میں

Marfat.com

موجودہ نیپال اور اتر پردیش کی سرحد پر واقع شاکیہ نامی ایک جمہوری ریاست تھی، اس ریاست پر شاکیہ نام کا ایک سورج ونشی چھتری خاندان حکومت کرتا تھا، جس کی سرداری سدّودھن نامی ایک شخص کے ہاتھ میں تھی، یہی سدّودھن گوتم بدھ کے والد تھے۔

۵۶۳ ق م میں سدّودھن کے یہاں گوتم بدھ کی ولادت ہوئی۔ گوتم بدھ کا اصلی نام گوتم سِدّھارتھ تھا، ایک جوتشی نے ان کے والد کے دربار میں پیشین گوئی کی تھی کہ یہ بچہ بڑا ہوکر یا تو ایک مشہور سنیاسی بنے گا یا ایک بڑا بادشاہ۔ اس پیشین گوئی کے بعد ایک محفوظ محل میں سدھارتھ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا گیا، اور اس وقت کے رائج ہر ایسے خیال اور اثر سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی جو سنیاس یا ترک دنیا کی طرف راغب کر سکتے تھے۔ اس مخصوص محل میں جو سدھارتھ کی تعلیم وتربیت کے لیے بنوایا گیا تھا، سیر وتفریح اور دل بہلانے کے سارے انتظامات کے ساتھ شہزادہ سدھارتھ کی پرورش شروع ہوئی۔

راجا سُدّودھن نے ہر ممکن کوشش کے ذریعہ شہزادے کو رنگ رلیوں اور سیر و تفریح میں الجھائے رکھتے ہوئے اس وقت کا انتظار کیا کہ جب وہ حکومت کے کاروبار کو سنبھالنے کی عمر تک پہنچ جائے، لیکن شہزادے کو بہلائے رکھنے کی یہ ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، اس لیے کہ عمر کے ساتھ ساتھ شہزادے کے یہاں غور وفکر، سنجیدگی اور احساس کی تیزی جیسی خصوصیات بڑھتی جارہی تھیں، جو راجا کے لیے تشویش کا باعث تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سدھارتھ کو مزید پابندیوں میں الجھانے کے خیال سے ۱۶ سال کی عمر میں ہی ان کی شادی کردی گئی۔ یہ سارے انتظامات اور کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ ان کے دل میں حقیقت کو جاننے اور زندگی کے رازِ سربستہ کھولنے کی آرزو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک رات وہ اپنے رتھ بان کے ہمراہ محل سے باہر نکل گئے، اس لیے کہ محل کی بناوٹی اور پُر تکلف زندگی میں بند رہنا اب سدھارتھ کے لیے ناقابل برداشت ہوگیا

Marfat.com

تھا۔ اس طرح سدھارتھ کو پہلی بار زندگی کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد ان کے ذہن سے ہر طرح کی غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔

روایت کے مطابق شہزادے کے راتوں کے اسفار کے دوران ایک بوڑھے، ایک بیمار اور ایک جنازے کے مشاہدے نے اُن پر زندگی کی بے ثباتی اور اس کا غیر اطمینان بخش ہونا واضح کر دیا۔ ان انکشافات کے بعد ایک سنیاسی کی زیارت نے جس کا پُرسکون اور مطمئن چہرہ اس کی اندرونی دولت کی شہادت دے رہا تھا، شہزادہ کو زندگی کے گورکھ دھندے سے نجات کی جدوجہد کا راستہ دکھا گیا، ان مشاہدات نے شہزادے کی زندگی میں گہری غور و فکر اور ایک داخلی کشمکش بیدار کر دی، جس کا خاتمہ ان کے یہاں پہلے لڑکے راہُل کی پیدائش پر ہوا۔ چنانچہ جس دن وہ لڑکا پیدا ہوا اسی رات دیر گئے اپنے بیٹے اور بیوی پر آخری نظر ڈال کر اپنے رتھ بان کے ہمراہ رتھ پر سوار ہو، گوتم شہر سے جنگل کی طرف نکل گئے۔ اپنے تمام ملبوسات اور شاہی لوازمات رتھ بان کے سپرد کر فقیرانہ لباس زیب تن کیا اور جنگل کی تاریکیوں میں گم ہو گئے، اس وقت گوتم کی عمر صرف ۲۹ سال تھی۔

سنیاس اختیار کرنے کے بعد گوتم نے روحانی تشنگی کو مٹانے کے لیے سب سے پہلے اس وقت کے رائج علوم کا سہارا لینے کی کوشش کی، اس وقت کے بہت سے مشہور علماء سے رابطہ قائم کیا، اور ان علماء سے تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد بھی جب ان کو تسلّی نہ ہو سکی تو انہوں نے عالموں سے رجوع کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا، اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی اور طریقے کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے، اور اس وقت کی رائج جسمانی ریاضتوں کے طریقوں کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد ان کی زندگی میں سخت جسمانی ریاضتوں کا دور شروع ہوا جسے انہوں نے انتہا تک پہنچا دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب وہ گھومتے گھومتے موجودہ گیا کے پاس اُراویلا نامی مقام پر پہنچے، جہاں انہوں نے اتنی سخت جسمانی ریاضتیں کیں کہ ان کا جسم ہڈیوں کا

Marfat.com

پنجر بن گیا، یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب ہوگئے۔ یہ جسمانی ریاضتوں کا طریقہ بھی ان کے گوہرِ مقصود کو پانے کا وسیلہ نہ بن سکا، اور زندگی کا راز ان کے لیے ایک معمہ ہی بنا رہا، اور ابدی مسرت کے حصول میں وہ ناکام رہے، چنانچہ اپنی سنیاسی زندگی کو ایک چرواہن کی کھیر کھا کر ختم کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ نجات کا راستہ صرف ایک معتدل زندگی کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے، اس فیصلہ کے بعد ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے وہ یہ تہیہ کرکے بیٹھ گئے کہ جب تک وہ ابدی مسرت کے راز کو نہ پالیں گے یہاں سے نہ اٹھیں گے، چنانچہ یہ عہد کرکے وہ اپنے مراقبہ میں غرق ہوگئے۔

آدھی رات کے قریب ان پر اُن چار حقائق کا انکشاف ہوا جن میں بدھ مت کا بنیادی فلسفہ پوشیدہ ہے، یعنی سدھارتھ نے اپنے مراقبہ ہی کے اندر نروان (نجات) حاصل کرلیا، اور اس طرح وہ گوتم بدھ بن گئے کیونکہ اب ان کو ابدی مسرت مل گئی تھی، زندگی کے مسئلہ کا حل انہیں مل گیا تھا اور ان کی ہر خلش دور ہوگئی تھی۔ نروان حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ گوتم بدھ اسی جگہ مقیم رہ کر، جہاں غور وفکر کے ذریعہ اپنے اعلیٰ روحانی مقام کو مستحکم کررہے تھے، وہیں ان کے سامنے یہ مسئلہ بھی پریشان کن تھا کہ آیا وہ حاصل شدہ نروان سے پیدا شدہ اعلیٰ کیفیات سے خود ہی لطف اندوز ہوتے رہیں یا دنیا کے لوگوں کو بھی اس راہِ نجات سے باخبر کریں تاکہ وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت وزندگی کے پھندے سے آزاد ہوسکیں۔ ایک طویل کشمکش کے بعد گوتم بدھ کو کامیابی ملی اور وہ اس ہمدردی کے ناتے جو ان کی تعلیمات میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے، دنیا میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کی تعلیمات کو قبول کرنے والوں میں سماج کے ہر طبقہ اور ہر ذات کے لوگ شامل تھے۔

ان کی تعلیمات اور خیالات کو دیکھنے کے بعد برہمنی مت کی طرف سے ان کی تحریک پر کفر کا فتویٰ لگا، اور اسے ایک ملحدانہ (ناستک) فرقہ قرار دیا گیا۔ گوتم

Marfat.com

بدھ کی تعلیمات کی مقبولیت میں ان کے انقلابی رویہ کا بڑا دخل تھا۔

نروان حاصل کرنے کے بعد زندگی کے باقی ۴۵ سال گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ میں شمالی ہندوستان اور اس کے مشرقی حصہ میں گھوم کر گزارے، اس دوران ان کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی، جن میں مرد عورت یعنی اُپاسک (گھریا رواج) بھکشو اور بھکشنیاں سب ہی شامل تھے، اس طرح ان کا قائم کردہ 'سنگھ' خوب پھلا پھولا، اس میں خود ان کا بیٹا، بیوی اور وہ ماں جس نے ان کی پرورش کی تھی سب ہی شامل ہو گئے تھے، آخر کار ۸۰ سال کی عمر میں گوتم بدھ کا آخری وقت آ گیا اور وہ ان الفاظ کے ساتھ ''بھکشوؤ! اب اس کے علاوہ مجھے تم سے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو کچھ عناصر کی ترتیب سے ظہور میں آیا ہے، اس کے لیے فنا مقدر ہے، جی جان سے نروان (نجات) کے لیے کوشش کرلو۔''[1] گوتم بدھ دنیا سے رخصت ہو گئے، اور بدھ عقیدہ کے مطابق انہوں نے مہاپری نروان حاصل کرلیا۔

بدھ مذہب کی بنیادی تعلیمات

بدھ مذہب کی بنیادی تعلیمات حسب ذیل ہیں:

(۱) لوگ آپس میں محبت سے رہیں۔ کسی پر ظلم نہ کریں، یہاں تک کہ جانوروں کو بھی نہ ستائیں۔

(۲) ہر حال میں سچ بولیں۔

(۳) ماں باپ اور استاد کا حق پہچانیں اور ان کی عزت و خدمت کریں۔

(۴) پیدائش کی بناء پر کسی شخص کو شریف یا رذیل نہ سمجھیں، کیونکہ یہ فرق صرف اعمال پر موقوف ہے۔

(۵) غریبوں، محتاجوں اور بے کسوں کی مدد کریں۔

(۶) ہر معاملہ میں میانہ روی اختیار کریں۔ افراط و تفریط سے بچیں۔

---

[1] آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ ۸۳

Marfat.com

(۷) حلال ذریعہ سے اپنی روزی کمائیں۔

(۸) تپسیا اور برہمنوں کی من گھڑت رسموں کے ذریعہ نجات حاصل کرنے کا خیال ترک کریں۔ خلوص نیت سے نیک کام کریں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کریں۔

بدھ مت کی نشوونما

نروان حاصل کر لینے کے بعد مہاتما بدھ نے باقی زندگی اپنے نظریات کی تبلیغ واشاعت میں گزار دی، جس کے نتیجہ میں شمال مشرقی ہندوستان میں ان کے ماننے والوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا ہو گیا۔ ان میں دو طرح کے لوگ شامل تھے، ایک وہ گروہ تھا جو زندگی کے کاروبار میں شامل رہتے ہوئے گوتم بدھ کی تعلیمات پر چلنے کا عہد کر چکا تھا، اسی گروہ کو اُپاسک کا نام دیا گیا۔ دوسرا گروہ بھکشوؤں کے نام سے موسوم تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا سے مکمل طور پر اپنا ناطہ توڑ کر حصولِ نروان کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ بھکشوؤں کی اسی جماعت کو سنگھ کا نام دیا گیا، بدھ کے اس دنیا سے جانے کے بعد (پری تروان) بدھ مَت کی تبلیغ واشاعت کا اہم کام اسی سنگھ نے انجام دیا۔

مہاتما بدھ کے بعد ایک ''اجتماع'' کے ذریعہ بدھ کی تعلیمات کو یکجا کر لینے کا اہم فیصلہ اتفاق رائے سے کرا لینے کے بعد جہاں ایک رات بدھ کی تعلیمات میں شرعی قوانین (وِنایا) اور دینیات (دَھمّا) کے حصے مرتب کئے گئے، وہیں سنگھ کے ہاتھوں میں پورے طور پر بدھ مت کی مذہبی رہنمائی آ گئی، جس نے بدھ مت کا مستقبل آئندہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

اور اس طرح بدھ مت ہندوستان میں موجود دوسری مذہبی روایات مثلاً برہمنی مت، جین مت وغیرہ کی طرح ایک مذہبی فرقے کی طرح سنگھ کی رہنمائی میں پھلتا پھولتا رہا، گوتم بدھ کے انتقال کے سو سال بعد بنارس میں منعقد ہونے والے

Marfat.com

دوسرے اجتماع میں بھکشوؤں کی بڑی تعداد میں شرکت، اس کے بڑھتے ہوئے دائرۂ اثر کا واضح ثبوت تھی۔ اگرچہ حلقۂ اثر کے وسیع ہونے کی وجہ سے سنگھ میں آپسی اختلافات بھی رونما ہونے لگے تھے، اور پھر باقاعدہ سنگھ میں دو طبقات پیدا ہوگئے۔ ایک روایت پسند، اور دوسرا آزاد خیال قرار پایا۔ بعد میں انہیں میں سے مزید فرقے وجود میں آتے رہے، اور آج روایت پسندوں کا ''ہنایان'' اور آزاد خیالوں کا ''مہایان'' مشہور فرقے ہیں۔

ہندوستان کا وہ مشہور بادشاہ جو اشوک کے نام سے معروف ہے، موریہ خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا جو ۲۷۰ق۔م میں تخت نشین ہوا۔ اس کی کوششوں نے بدھ مت کو ایک ہندوستانی مذہبی فرقہ سے ترقی دے کر ایک بین الاقوامی مذہب بنادیا۔ بادشاہی جنگجویانہ پالیسیوں پر مبنی تشدد کے خلاف اشوک نے جس روز بدھ مذہب اختیار کرلیا تھا، اسی دن سے اس نے اس کی ترقی اور اشاعت کے لیے خصوصی اقدامات شروع کردیئے تھے، بادشاہ کی طرف سے ملنے والی مراعات وانعامات اور جاگیروں نے اس کے ماننے والوں یا یوں کہیں کہ بدھ سنگھ میں خوشحالی کا ماحول پیدا کردیا۔ نئی نئی خانقاہیں وجود میں آئیں، بہت سے بھکشوؤں کو دربار میں رسوخ حاصل ہوا، غرض دھیرے دھیرے بدھ مذہب سرکاری مذہب بنتا گیا، یہاں تک کہ اشوک کی راجدھانی پاٹلی پتر میں تیسرا اہم ''اجتماع'' ہوا، جس میں بدھ مت کی خالص تعلیمات کو تین کتابوں میں مرتب کیا گیا۔ اس طرح بدھ مت کی تعلیمات میں شامل بہت سی بدعات اور دوسری باتوں کو اس سے خارج کرکے یہ اہم کام کیا گیا، اسی ''اجتماع'' کے بعد بدھ مذہب ایک بین الاقوامی مذہب بنتا گیا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مذہبی تبلیغی جماعتیں بھیجی گئیں، یہاں تک کہ لنکا، ملایا، جاپان، افغانستان اور چین وغیرہ میں انہیں کافی کامیابی حاصل ہوئی، غرض اس وقت تک بدھ مذہب ہندوستان میں ایک بااثر فرقہ بن چکا تھا۔

Marfat.com

بدھ سنگھ میں روایت پسندوں اور آزاد خیالوں کی آپسی کش مکش نے جن دو فرقوں کو جنم دیا تھا، ان میں سے ایک فرقہ کی شاخ ''ہنایان'' اپنے مکتب فکر کی واحد ترجمان کی حیثیت سے آج بھی سری لنکا، ہند چین، برما، ویتنام، تھائی لینڈ اور کمبوڈیا وغیرہ میں زندہ ہے۔ آزاد خیالوں کے ترجمان ''مہایان'' فرقہ نے بعد کو مذہبی اور فکری، دونوں اعتبار سے غیر معمولی ترقی حاصل کی۔ اس فرقہ نے بدھ مذہب کی بنیادی تعلیمات کی اپنی نئی تشریحات کے ذریعہ ایسی ایسی تعبیرات کیں کہ کچھ ہی عرصہ بعد دونوں فرقوں میں نمایاں فرق پیدا ہوگیا۔ مہایان کی آزاد خیالی اور اس کے فکری و مذہبی ارتقا کی وجہ سے ''ہنایان'' اور ''مہایان'' کے بیچ کا یہ فرق وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور بڑھتا گیا۔ مہایان کی نشوونما میں بدھ مذہب کی نئی نئی تفاسیر، تشریحات، اور اس کی مذہبی لچک یعنی حالات کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی صلاحیت نے بہت اہم رول ادا کیا۔ نیز انہی خصوصیات کی وجہ سے بدھ مت کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہنایان کی روایت پرستی کے راستہ سے الگ، مہایان نے بدھ مت کی ایسی نئی نئی تعبیریں عوام کے سامنے پیش کیں جس کے نتیجہ میں بدھ مت عوام کے مذہبی جذبہ کی تسکین کا بہترین ذریعہ سمجھا جانے لگا اور اسی لیے روز بروز عوام کا رجحان بدھ مت کی طرف بڑھتا گیا۔

پاٹلی پتر کے تیسرے اجتماع کے بعد بھیجی گئی تبلیغی جماعتوں کے ذریعہ بدھ مت کو وسط ایشیا اور مشرق بعید میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چین اور جاپان خاص طور پر اس مذہب کے بڑے مراکز بن گئے، اور ان علاقوں کی تہذیب وتمدن پر بدھ مت نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

تیسری صدی عیسوی سے پانچویں صدی عیسوی تک بدھ مذہب چین، جاپان، کوریا اور ان کے اطراف کا مقبول ترین مذہب بن چکا تھا۔

ہندوستان سے باہر جنوب میں بدھ مت کو جس ملک میں سب سے زیادہ مقبولیت اور استحکام حاصل ہوا وہ سری لنکا ہے۔ اشوک کی بھیجی ہوئی ایک تبلیغی

Marfat.com

جماعت، جس میں خود اس کا بیٹا بھی شامل تھا،[1] کے ذریعہ یہاں نہ صرف عوام بلکہ شاہی گھرانے نے بھی بدھ مت قبول کرلیا، اس وقت سے آج تک سری لنکا بدھ مت کی اکثریت رکھنے والا ایک اہم ملک ہے۔ نہایان کی روایت کو باقی رکھنے، ترقی دینے اور جنوب مشرقی ایشیا کہ دوسرے ممالک میں اس کی ترویج واشاعت میں اس نے بڑا کام کیا۔

سنگھ کا مطلب

گوتم بدھ کے شاگردوں میں ابتدا ہی سے دو طرح کے لوگ شامل تھے۔ ایک تو وہ لوگ جو گوتم بدھ کی تعلیمات کو سچ سمجھ کر قبول کرتے تھے، لیکن اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے اتنی ہمت نہیں کرسکتے تھے کہ دنیا کے دھندوں سے بالکل علاحدہ ہوکر مکمل طور سے نروان حاصل کرنے میں لگ جائیں۔ ایسے لوگ اُپاسک کہلاتے تھے۔

دوسری طرف وہ شاگرد تھے جو گوتم بدھ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا سے ناتہ توڑکر سنیاس لے لیتے تھے اور اپنی پوری زندگی نروان حاصل کرنے کے لیے وقف کردیتے تھے۔ ایسے شاگرد بھکشو کہلاتے تھے، اور بھکشوؤں کی جماعت سنگھ کے نام سے موسوم تھی۔ یہ جماعت مہاتما بدھ کے ساتھ ہمہ وقت تبلیغی کام میں مشغول رہتی تھی۔

بدھ سنگھ میں روایت پسندوں اور آزاد خیالوں کی باہمی کشمکش نے جن دو بڑے فرقوں کو جنم دیا، ان میں سے پہلے فرقہ کی ایک شاخ ہنایان کے نام سے مشہور ہے، وہ آج بھی لنکا، برما، ہندچین، ویتنام، تھائی لینڈ اور کمبوڈیا میں پھل پھول رہی ہے۔

آزاد خیالوں کا ترجمان فرقہ، مہایان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس

---

[1] بحوالہ دنیا کے بڑے مذہب صفحہ ۱۰۵

Marfat.com

فرقہ نے مذہبی اور فکری دونوں اعتبار سے بہت ترقی کی۔اس فرقہ نے بدھ مت کی بنیادی تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی نئی تعبیرات اور تشریحات کیں، یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد ہنایاں اور مہایان میں نمایاں فرق پیدا ہوگیا۔

ہندوستان میں بدھ مت کی ترقی اور اس کا زوال

بدھ مت میں بعد کے دَور میں کچھ اعتقادی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ان میں سب سے اہم تبدیلی یہ تھی کہ بدھ کو الوہیت کا درجہ دیا گیا۔(۱) مہایان (شمالی بدھ مت) (۲) ہنایان (جنوبی بدھ مت) کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ مہایان گروہ نے بدھ کو آدم بدھ کا درجہ دیا جو بدھوں میں سب سے اول، سب سے زیادہ طاقتور اور یکتا ہے، لیکن ہنایان گروہ نے خود گوتم بدھ کو خدا کا درجہ دے دیا ــــ مہایان فرقہ ابتدا سے ایک توحیدی مذہب تھا جو تمام دیوی دیوتاؤں کو ایک بالاتر طاقت کا محکوم قرار دیتا تھا اور خدا کو علت العلل اور کائنات کا اصول اول قرار دیتا تھا۔ اس اصول کے مطابق پہلی علت کو 'دھرم کایا' کے نام سے موسوم کیا گیا جو قانون کے ہم معنیٰ ہے۔ مہایان بدھ مت کے نظریہ کی رُو سے یہ قانون دھرم کایا گوتم بدھ کی صورت میں مجسم ہوا۔ اور گوتم بدھ انسانوں کے ساتھ متحد اور تمام انسان ان کے اندر متحد ہیں۔

بدھ مذہب میں چونکہ تعلیمات عوامی زبان میں تھیں، اس لیے انہیں سب لوگ سمجھ سکتے تھے۔اس کے برخلاف برہمنی مذہب کی تعلیمات سنسکرت میں تھیں جنہیں لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مہاتما بدھ نہایت مخلص شخص تھے اور سب کی بھلائی چاہتے تھے، اس کے برخلاف برہمنی مذہب میں طبقاتی تقسیم تھی۔ بدھ مذہب میں برہمن، چھتری، ویش اور شودر سب کو برابر کا درجہ دیا گیا تھا، اس لیے بدھ مذہب نے بہت جلد ترقی کی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مشہور راجہ

Marfat.com

اشوک نے بدھ مذہب قبول کرلیا تھا اور اس نے اپنا تمام خزانہ بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے وقف کردیا تھا چنانچہ اسی کے زمانہ میں بدھ مذہب چین، جاپان، برما، سیام، تبت، منگولیا، کوریا، لنکا، منچوریا، ویت نام، تھائی لینڈ وغیرہ تک پھیل گیا تھا۔ بعد میں بدھ میں نفس کشی، ترک دنیا اور اہنسا پر غیر معمولی زور دیا جانے لگا اور بھیک کی روزی، سب سے زیادہ پاک روزی سمجھی جانے لگی اور خدا کا تصور واضح نہ ہونے کی وجہ سے خود مہاتما بدھ کی ہی پوجا ہونے لگی۔ جب اچھے لوگوں نے ترک دنیا پر عمل کرنا شروع کردیا تو سارا نظام خراب لوگوں کے ہاتھوں میں آ گیا۔ ان باتوں کا سوسائٹی پر خراب اثر پڑنے لگا اور بدھ مت سے لوگوں میں دلچسپی کم ہونے لگی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر برہمنوں نے بدھ مذہب کی مخالفت بڑی شدت سے شروع کردی۔ ان کے مندروں کو توڑ ڈالا اور بدھ مذہب کے ماننے والوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اس مذہب کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے۔ ہندوستان میں ۱۲۰ء میں کنشک تخت پر بیٹھا۔ اس نے مہاتما بدھ کو اوتار مان لیا اور اہنسا کو اپنے مذہب میں داخل کرلیا اور لوگوں کو گوتم بدھ کی مورتی پوجنے پر آمادہ کرلیا۔

○○○

Marfat.com

جین مَت

جین مَت کے اپنے عقیدہ کے مطابق، یہ ایک ابدی مذہب ہے، جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ ہندوستانی روایات میں چونکہ دنیا کی کوئی ابتداء یا انتہا نہیں ہے، لہٰذا اس اعتبار سے جین مذہب بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہر دور میں وقفہ وقفہ سے ایک کے بعد ایک چوبیس تیرتھنکر (مصلح) پیدا ہوتے رہے اور اس کے احیاء کا کام انجام دیتے رہے[1]، آخری تیرتھنکر مہاویر جین تھے، ان کے بعد اب کوئی اور مصلح نہیں آئے گا۔

تاریخی اعتبار سے اس کے ثبوت موجود ہیں کہ مہاویر جین اس مذہب کے بانی نہیں تھے۔ ہندوستان میں یہ روایت پہلے سے موجود تھی۔ خود مہاویر کا خاندان بلکہ ان کی پوری برادری جین مذہب کی ہی پیرو تھی۔ مہاویر نے تو سنیاس کے ذریعہ جین مذہب کے مقصد اعلیٰ کو پلیہ کو حاصل کیا اور اس مذہب کے سربراہ بن گئے۔ مہاویر نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں جین مت میں جو اصلاحات کیں، اور اس کی اشاعت اور استحکام کے لیے بحیثیت آخری تیرتھنکر (مصلح) جو اقدامات کیے، اس کی بنا پر مہاویر کو وہ اہم مقام حاصل ہوا کہ وہی اس مذہب کے بانی سمجھے جانے لگے۔

مہاویر جین مشرقی ہندوستان کے مشہور شہر ویشالی کی ایک قریبی بستی میں

---

[1] آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ صفحہ ۱۲۹

Marfat.com

۵۹۹ ق م میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی نام وردھمان تھا۔ وہ بچپن ہی سے مذہبی غور وفکر کی طرف مائل تھے۔ بڑے ہوکر سنیاس لینا چاہتے تھے، مگر والدین کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکے۔ ان کی شادی یشودھا نام کی ایک خاتون سے ہوئی جن سے ایک بچی بھی تھی۔ ۳۰ سال کی عمر میں والدین کے انتقال کے بعد بڑے بھائی نندی وردھن کی اجازت سے سنیاس لیا۔ سنیاس کے دوران جین مت کے مطابق بڑی سخت ریاضتوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرتے ہوئے ستر پوشی سے بھی اپنے کو بے نیاز کرلیا۔ بارہ سال کی سخت محنت کے بعد مہاویر کو معرفت کا اعلیٰ ترین مقام کوپلیہ حاصل ہوگیا، اور وہ وردھمان کی جگہ مہاویر (عظیم بہادر) اور جین (عارف) جیسے القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے عمر کے بقیہ ۳۰ سال جین مت کی اصلاح اور اشاعت میں صرف کئے۔ اس دوران معتقدین کی ایک بڑی تعداد تیار ہوگئی جن میں ان تیرہ شاگردوں کو خاص اہمیت حاصل ہے جنہوں نے مہاویر جین کے بعد جین مت کے فروغ میں نمایاں کام کیا۔ شوتامبر فرقے کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں مہاویر جین کا انتقال ہوا۔

جین مَت کے بنیادی عقائد

جین مت کے بنیادی عقائد جن کو سات حقائق کہا جاتا ہے، وہ زندگی کے بنیادی مسائل اور ان کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں، جن میں جین مت کا بنیادی فلسفہ سمٹ گیا ہے۔ ذیل میں انہیں حقائق کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) جیو (روح) ایک حقیقت ہے،

(۲) اجیو (غیر ذی روح) بھی ایک حقیقت ہے، جس کی ایک قسم مادّہ ہے،

(۳) اَسرو — روح میں مادّہ کی ملاوٹ ہوتی ہے،

(۴) نیدھ — روح میں مادّہ کی ملاوٹ کے نتیجے میں روح مادّہ کی قیدی بن جاتی

Marfat.com

ہے،

(۵) سَمْوَرا — روح میں مادّہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے،

(۶) نِرجَرا — روح میں پہلے سے موجود مادّہ کو زائل کیا جا سکتا ہے،

(۷) موکش — روح کی مادّہ سے مکمل علاحدگی کے بعد موکش حاصل کیا جا سکتا ہے،

یہ سات اصول جین دینیات کے وہ بنیادی موضوعات ہیں جن کی تشریح و تفصیل میں جین عالموں نے بھرپور کوششیں کیں۔

ان اصولوں کی روشنی میں جین فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں کوئی واحد بنیادی حقیقت نہیں ہے، بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو بیک وقت ازلی، ابدی اور بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ ان بنیادی حقائق کو دو عمومی قسموں میں بانٹ دیا گیا ہے۔

(۱) روح (جیو) (۲) غیر ذی روح (اَجیو)

روح (جیو) اپنی فطرت کے لحاظ سے تمام پسندیدہ صفات کی حامل ہے، اس حیثیت میں وہ کرم اور آواگون کے چکر سے آزاد ہے۔ جین مت میں روح کو اُلوہی صفات کا حامل مانا گیا ہے، اور کائنات میں ایسی بے حد اور بے حساب ارواح ہیں، جو اپنی اپنی جگہ ایک مستقل اور آزاد حیثیت کی مالک ہیں۔

اسی طرح غیر ذی روح بھی کائنات میں مستقل اور ازلی حیثیت کی مالک ہیں، جہاں ارواح لاتعداد ہیں وہاں غیر ذی روح صرف پانچ ہیں، البتہ ان کے مظاہر لاتعداد ہو سکتے ہیں۔ ان غیر ذی روح اشیا میں مادّہ پہلی چیز ہے، جو کائنات میں مختلف شکلوں کے ساتھ ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے۔

مادّہ کے علاوہ دوسری چار اشیاء جو غیر ذی روح میں شامل ہیں، ان میں ایک دھرم ہے جسے کائنات میں موجود اصولِ حرکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جین تصور کے مطابق یہ وہ شے ہے جس کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی۔ یہ خود

Marfat.com

حرکت نہیں دیتا بلکہ اشیاء کی حرکت کو ممکن بناتا ہے، چنانچہ کائنات میں جو بھی حرکت ہو رہی ہے وہ دھرم کے اصول پر ہی عمل میں آ رہی ہے۔ دھرم بھی ازلی اور ابدی ہے۔ ہاں، نہ تو یہ وزن رکھتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حجم ہے اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ غیر ذی روح کی تیسری قسم اَدھرم کی ہے۔ یہ کائنات میں سکون کا اصول ہے، یعنی کسی شے کا غیر متحرک اور ساکن ہونا ادھرم کے اصول کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔

آکاش یا فضا غیر ذی روح کی چوتھی قسم ہے۔ فضا اگرچہ خارجی حقیقت ہے مگر تمام اشیاء کے موجود ہونے کے لیے جگہ فراہم کرتی ہے۔ کال یا ''وقت'' بھی جین مت میں غیر ذی روح کی ایک قسم ہے اور ایک بدیہی حقیقت ہے۔ جیو کی نوع میں شامل تمام ارواح اور غیر ذی روح (اجیو) کی پانچوں اقسام جین مت کے لحاظ سے کائنات کی وہ چھ بنیادی حقیقتیں ہیں جو ازلی، ابدی اور مستقل حیثیت کی مالک ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جین مت کثرتِ حقیقت پر یقین رکھنے والا ایک فکری نظام ہے۔

دوسرے مذاہب کی طرح جین مت بھی کرم اور آواگون کے عقیدہ کو تسلیم کرتا ہے، اور موکش حاصل کیے بغیر آواگون کے اختتام کو ممکن نہیں تصور کرتا۔

جین عقیدہ کے لحاظ سے کسی بھی عمل کے لیے اس کی حقیقی محرک خواہشات ہیں، یعنی اعمال کو بے غرض بنانے کے لیے خواہشات پر قابو پانا ضروری ہے۔ اسی لیے جین مت میں باقاعدہ ایک اخلاقی نظام ہے، جو خواہشات پر قابو پانے یا ان کی نفی پر مبنی ہے۔ اس اخلاقی نظام پر عمل کر کے روح میں مزید مادّہ کی آمد کو روکا جا سکتا ہے۔ جین مت میں روکنے کے اس عمل کو سَموَرا کہا جاتا ہے، مگر روح کو مادّہ سے آزاد کرانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر اور روح کے چاروں طرف چڑھے ہوئے غلاف کو ختم کیا جائے، تاکہ روح مکمل طور پر آزاد ہو سکے۔ مادّہ کے دور کرنے کا یہ عمل جین مت میں نِرجَرا

Marfat.com

کہلاتا ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے نفس کشی پر مبنی مختلف ریاضتیں کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ روح تمام کثافتوں سے پاک ہوکر اپنی فطری خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوجاتی ہے، اسی کو موکش کہا گیا ہے۔ مرنے کے بعد ایسی ہی روح جو ہر کثافت سے پاک وصاف ہوتی ہے، کرم اور آواگون سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پاتی ہے۔

جین مت کا ارتقا اور فرقہ بندی

مہاویر جین کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کے تبلیغی جذبہ کو زندہ رکھا اور جلد ہی جین مت اجین اور منڈاسر تک پہنچ گیا۔ ان کے جانشینوں نے شمال میں نیپال اور جنوب میں میسور کا سفر کیا اور وہاں جین مت کا ایک مرکز قائم کیا۔ اسی کے بعد جنوبی ہندوستانی میں جین مت کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مشرق میں اڑیسہ کے حکمران راجہ کھاروِل نے جین مت قبول کرنے کے بعد جین مت کی اشاعت میں بھرپور تعاون دیا، اشوک کے پوتے راجہ سمپراتی نے جین مت کی ترقی میں وہی سرگرمی دکھائی جو اس کے دادا اشوک نے بدھ مت کی ترقی میں دکھائی تھی۔

پہلی صدی قبل مسیح میں مشرقی ہندوستان کے مقابلہ میں جین مت مغربی ہندوستان میں کلک آچاریہ کے ذریعہ فروغ پانے میں کامیاب ہوگیا۔ شمال میں مسلم حکومت کے قیام کے وقت تک جنوبی ہندوستان میں جین مَت کے عروج کا دور رہا۔ ساتویں صدی کے بعد جینی اثر جنوب مغرب سے گجرات میں داخل ہوکر ترقی کرتا ہوا راجستھان میں داخل ہوکر پھلا پھولا۔ اس دور میں جین مت کے وہ بڑے رہنما پیدا ہوئے جن کے ذریعہ جین مت کے مذہبی، فکری اور روحانی ارتقا کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔ بارھویں صدی میں جین مت گجرات میں علمی اور تمدنی ترقی کے لحاظ سے اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا۔

Marfat.com

جین مت کے دو بڑے اور اہم فرقے جن کی ابتداء پہلی صدی عیسوی کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے، دگامبر (دِگ بمعنی فضا، آسمان۔ آمبر بمعنی لباس) یعنی فضا کا لباس پہننے والے اور شوٗتامبر (شوٗ = سفید، امیرانہ لباس) یعنی سفید لباس پہننے والے سادھوؤں کے نام سے وجود میں آئیں۔ بعض روایات کے مطابق مہاویر جین بھی خود برہنہ رہا کرتے تھے۔

چوتھی صدی قبل مسیح میں شمالی ہندوستان کے کچھ جینی سادھوؤں نے بعض اندرونی اختلافات کی بناء پر اپنی ایک الگ جماعت اردا پہلکا کے نام سے بنا ڈالی تھی، اسی جماعت نے بعد میں تقریباً ۸۰ء کے آس پاس شوٗتامبر فرقہ کی شکل اختیار کرلی،[1] مگر عقائد اور تعلیمات کے لحاظ سے دونوں فرقوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، علاوہ اس کے کہ دِگامبر برہنہ رہتے ہیں اور شوٗتامبر سفید کپڑے زیب تن کُرتے ہیں، نیز مہاویر جین کے حالات زندگی کے بارے میں بھی دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پندرہویں صدی کے آخر میں دِگامبر فرقے کی ایک ذیلی جماعت قارن پنتھیو کا بھی ذکر ملتا ہے، جو مورتی پوجا کی مخالفت کے ساتھ ساتھ ذات پات کی تفریق کو بھی نہیں مانتے تھے۔ ظاہری رسم ورواج سے زیادہ، ان کے یہاں روحانی اقدار پر زور ملتا ہے۔[2]

شوٗتامبر فرقے کے یہاں بھی لونکا اور استھانک جیسی ذیلی جماعتوں کا ذکر ملتا ہے، یہ دونوں جماعتیں بھی مورتی پوجا کی مخالف رہی ہیں[3] اٹھارویں صدی عیسوی میں تیرہ پنتھی کے نام سے ایک اور ذیلی جماعت قائم ہوئی، یہ جماعت بھی بت پرستی کے خلاف رہی ہے۔

۱۔ آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ء

۲۔ ولاس۔اے۔سنگاوے۔جین کمیٹی اے سوشل سروے بمبئی ۱۹۸۰ء صفحہ ۵۳

۳۔ ولاس۔اے۔سنگاوے۔جین کمیٹی اے سوشل سروے بمبئی ۱۹۸۰ء صفحہ ۵۵

Marfat.com

جین مت کی اخلاقی تعلیمات

جین مت میں نجات یعنی موکش کا دارومدار کسی غیبی طاقت کے فیصلے یا دیوی دیوتاؤں کی مرضی پر نہیں بلکہ انسان کی ذاتی سعی وکوشش پر مبنی ہے، اسی لیے روح کو پاک وصاف کرنے کے لیے اس مذہب میں ایک تفصیلی لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے، جو نجات کے ہر خواہشمند کے لیے ضروری ہے۔ یہ اصول وضوابط تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ فرد کی ذاتی اور سماجی زندگی، دونوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور فرد کی پوری زندگی میں سخت ڈسپلن پیدا کر دیتے ہیں۔

جین مت میں وہ لوگ جو مکمل ترک دنیا نہیں کرتے، بلکہ سماجی زندگی سے اپنا تعلق برقرار رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے جین مت کے اخلاقی قوانین کی ایک ہلکی شکل پر عمل کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ آئندہ کے اعلیٰ اخلاقی معیار کے لیے تیار ہو سکیں۔ ایسے سماجی زندگی گزارنے والے جینیوں کے لیے لفظ شرَوَک مردوں کے لیے اور شرَوِکا عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جو لوگ ان اخلاقی تعلیمات کو مثالی (مہاورتا) صورت میں اپنانا چاہتے ہیں ان کو مکمل سنیاس لینا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ سادھو یا سادھوی کہلاتے ہیں۔

نجات حاصل کرنے کے اس عمل کو جین مت میں تین بڑے حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے، جو تری رتن (جواہر ثلاثہ) کہلاتے ہیں، ان تینوں کو جین مت میں:

(۱) سُمیک درشن، (صحیح عقیدہ) (۲) سَمیک گیان، (صحیح علم) اور (۳) سَمیک چرتیہ (صحیح عمل) کہلاتے ہیں۔

سُمیک درشن: تینوں میں سب سے بنیادی اہمیت اسی کو حاصل ہے، اس کی رُو سے جین مذہب کی تمام مذہبی کتابوں، ان کے اکابرین، بزرگوں اور بنیادی سات حقائق، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی کو صحیح عقیدہ تسلیم کیا گیا ہے۔

Marfat.com

سمیک گیان: جین مت کے نزدیک اشیاء کی حقیقی ماہیت کے جاننے کو صحیح علم کہتے ہیں۔ یہ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ سارا باطل علم زائل نہ ہوجائے۔ صحیح علم کی پانچ قسمیں جین مت میں مستند مانی گئی ہیں۔

سمیک چرتر: جین مت میں صحیح عمل یا صحیح کردار کے ذریعہ روح کو مادّے کی قید سے آزاد کرا کر موکش (نجات) حاصل ہوسکتا ہے، لیکن صحیح عمل کا صادر ہونا اسی وقت ممکن ہے جب صحیح علم اور صحیح عقیدہ موجود ہوں۔

جین مت میں انسان کی عملی زندگی کو ایک خاص طرز پر ڈھالنے کے لیے تفصیلی قوانین موجود ہیں۔ جین مت کی اخلاقی تعلیمات میں سب سے بنیادی اہمیت ان پانچ ورتوں کو حاصل ہے، جن پر ہر جینی کو پوری زندگی عمل کرنے کا عہد کرنا پڑتا ہے۔ ان پانچوں میں چار تو بہت قدیم ہیں، جو مہاویر جین سے پہلے بھی جین مت میں رائج تھے۔ مہاویر جین نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ ایک پانچویں بنیادی عہد برہمچریہ (پاک دامنی) کا اضافہ کردیا۔ مہاویر جین سے پہلے شاید اس تصور پر پہلے الگ سے کوئی زور نہیں تھا۔

جین مت کے پانچ بنیادی عہد

(۱) اہنسا، (عدم تشدد) (۲) ستیہ (راست گفتاری) (۳) اَستیہ (چوری نہ کرنا) (۴) برہمچریہ (پاک دامنی) (۵) اَپری گرہ (دنیا سے بے رغبتی)۔ ان پانچ بنیادی عہدوں کے علاوہ گھر بار رکھنے والے جینیوں کو سات اور عہد کرنے ہوتے ہیں، جو انہیں بنیادی عہدوں پر عمل کرنے میں معاون ہوتے ہیں، طوالت کی وجہ سے ان کی تفصیل یہاں نہیں دی جارہی ہے۔

جین مت میں وہ جماعت جو جین سنگھ کہلاتی ہے، اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ مردوں کو سادھو اور عورت کو سادھوی کہا جاتا ہے۔ دونوں کو برہمچریہ کی بہت سخت پابندی کرنی ہوتی ہے۔ مردوں اور عورتوں کی

Marfat.com

جماعتوں کے نظام الگ الگ ہوتے ہیں۔ سنیاس کی ابتداء جین مت کے پانچ بنیادی عہدوں کی شکل میں لینے سے ہوتی ہے، پھر تمام دنیا سے ناتہ توڑ کر بے رغبتی کے ساتھ چند ضروری چیزوں کے علاوہ سب کچھ چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ مرد سادھو بغیر سلے تین کپڑے اور عورت کو چار کپڑے پہننے کی اجازت ہے، یہ اجازت بھی صرف شوٗتامبر فرقہ کے سادھوؤں کو حاصل ہے، اس لیے کہ دِگامبر فرقہ کے سادھو تو بالکل ننگے رہتے ہیں۔ اس فرقہ میں عورتوں کو سنیاس لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایک سادھو اپنے پاس بھیک مانگنے کے دو برتن، ایک جھاڑو، تاکہ بیٹھنے اور سونے سے پہلے اپنی جگہ کو صاف کرلے جس سے کوئی جاندار دب کر نہ مرجائے، کیونکہ جان لینا ان کے یہاں گناہِ عظیم ہے۔ منہ پر باندھنے کا کپڑا اور ایک عصا اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اور یہ سب اشیاء اُسے بھیک مانگ کر ہی حاصل کرنی ہوتی ہیں، یہاں تک کہ اپنی غذاء بھی اس کو ۲۴ گھنٹے میں ایک بار بھیک مانگ کر تیسرے پہر سورج چھپنے سے پہلے کھانی ہوتی ہے۔ ہر جینی سادھو اور جینی سادھوی کو رات میں چلنا پھرنا منع ہے، تاکہ کوئی جاندار پیر سے دب کر نہ مرجائے ورنہ وہ اہنسا کے ورت کی خلاف ورزی ہوگی۔ سرمنڈانا تمام سادھوؤں کے لیے لازمی ہے، بہتر ہے کہ سر کے بالوں کو اکھڑوایا جائے جسے جین مت میں لوچا کہا جاتا ہے۔

جین مت کا کوئی تعارف اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دو بڑے فرقوں دگامبر اور شوٗتامبر کا تعارف نہ کرایا جائے، شوٗتامبر فرقے کے مطابق اس کی ابتداء شوبھوتی نامی ایک سادھو سے ہوئی، جس نے کسی بات پر ناراض ہوکر ننگا رہنا شروع کردیا تھا، اور پھر ننگا رہنے والے سادھوؤں کی جماعت قائم ہوگئی جنہوں نے شوٗتامبر یعنی سفید کپڑا پہننے والوں کی جماعت سے اپنے آپ کو الگ کرلیا۔ اس طرح یہ دو فرقے یا جماعتیں وجود میں آگئیں، مگر عقائد اور تعلیمات کے لحاظ سے دونوں فرقوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے،

Marfat.com

علاوہ لباس کے۔ دگامبر فرقہ عورتوں کو سادھو بننے کی اجازت نہیں دیتا، نیز ان کا خیال ہے کہ عورتیں آئندہ مرد کی شکل میں جنم لے کر ہی موکش (نجات) حاصل کرسکیں گی۔

یہ لوگ جین مت کی موجودہ مقدس کتابوں کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے مذہب کی تمام اصلی کتابیں مہاویر جین کے چند صدیوں بعد ہی ضائع ہوگئی تھیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ موکش حاصل کر لینے کے بعد انسان کھانے پینے کی طرف سے بے نیاز ہوجاتا ہے، وہ بغیر کھائے زندہ رہتا ہے، نیز ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ مہاویر جین نے کبھی شادی نہیں کی تھی، اور وہ اوائل عمر ہی سے سنیاس اختیار کر چکے تھے، جب کہ شوَتامبر کے مطابق ان کی شادی بھی ہوئی تھی اور ان کے ایک بچی بھی تھی۔ اپنے والدین کے انتقال کے بعد ہی انہوں نے سنیاس لیا تھا۔

ہندوستانی مذاہب میں جین مت اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کے مذہبی رہنماؤں نے مذہبی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم پر بھی اپنی پوری توجہ رکھی، اور ان علوم پر بڑی تعداد میں کتابیں تصنیف کیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جہاں بھی گئے، پھلے پھولے، وہاں علم کے چراغ کو روشن رکھا۔ جین فلسفہ اور جین اخلاقی تعلیمات کے علاوہ ڈرامہ نویسی، شاعری، لغت، صرف ونحو، لوک کتھائیں، ناول، موسیقی، ریاضی، علم نجوم، علم ہیئت، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر کثیر کتابیں لکھی گئیں۔ جین عالموں کا مقامی زبانوں کے ارتقاء میں بھی بڑا حصہ رہا ہے۔

ہندوستانی تہذیب وتمدن میں جنہوں نے فنون لطیفہ کے میدان میں بھی بہت کچھ خدمات انجام دی ہیں۔ فن تعمیر، مجسمہ سازی اور مصوری میں ان لوگوں نے بہت کچھ اضافہ کیا ہے، اور ان فنون کو ایک انوکھا اور بلند انداز عطا کیا ہے، پہاڑوں کو کاٹ کر گپھائیں اور غار بنانا اور انہیں مندر کی شکل دینا جینیوں کا انوکھا

Marfat.com

انداز رہا ہے۔ ہندوستان میں ہر طرف جین مندر کے ایسے نمونے موجود ہیں جن میں فن سنگ تراشی کے بے مثال نمونے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً (ماؤنٹ آبو) میں ایلورا کے مندر اس کی بہترین مثال ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ فن مجسمہ سازی ہندوستان کو جینیوں کی ہی دین[1] ہے۔ فن تعمیر اور مجسمہ سازی کی طرح فن مصوری میں بھی جین فنکاروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج بھی اس فن کے قیمتی نمونے مندروں کی دیواروں، کاغذوں، کپڑوں اور تاڑ کے پتوں پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

○○○

---

[1] اے۔ایل ہاشمی 'ہندوستان کا شاندار ماضی' (اردو ترجمہ) نئی دہلی ۱۹۸۲ء صفحہ ۵۰

Marfat.com

زرتشتیت

دنیا کے بڑے مذاہب میں یہ مذہب کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ یہ قدیم ایران کے زرتشت، جو حضرت دانیال نبی کے شاگرد تھے۔ یہ مذہب انہیں کے روحانی تجربات پر مبنی ہے، اور جنہیں دنیا کے بڑے مذہبی رہنماؤں میں گنا جائے گا۔ مشہور مصری محقق اور عالم علامہ فرح اللہ ذکی کردی لکھتے ہیں:

''زرتشت کو اللہ تعالیٰ نے قفقاز کے علاقے میں مشہور شہر ''اَرس'' میں نبی بنا کر بھیجا، اس کے بعد زرتشت کی دعوت کا علاقہ قفقاز اور آزربائیجان سے لے کر پورے ایران تک وسیع ہوگیا تھا۔''

عربوں کے ذریعہ فتح ایران اور اسلام کی اشاعت کے بعد اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اتنی کمی آگئی کہ آج صرف ہندوستان میں ان کی تھوڑی سی تعداد موجود ہے جو 'پارسی' نام سے جانے جاتے ہیں، یا پھر ایک گروہ ایران کے دشوار گزار علاقوں 'یزد' اور 'کرمان' میں آباد ہے۔ اس مذہب کی مقدس کتاب 'اوستا' کے نام سے مشہور ہے، جو زرتشتیت کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ آج اصل کتاب کا صرف چوتھائی حصہ ہی موجود ہے، اوستا کا وہ قلیل حصہ جسے زرتشت پیغمبر کا اپنا کلام کہا جاسکتا ہے، وہ گاتھا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

زرتشتیت اپنے دور عروج میں ایک بڑے سرکاری مذہب کی شکل میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے فلسفہ زندگی فراہم کرنے اور ان کی زندگی کا

Marfat.com

رُخ متعین کرنے میں اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ ایک بااثر تحریک ہونے کی وجہ سے اس دور میں اپنے آس پاس رائج مذاہب پر بھی اس کے اثرات پڑتے رہے۔ اس طرح زرتشتیت نے فلسفۂ زندگی اور مذہبی فکر سے متعلق کچھ بنیادی موضوعات جیسے کائنات میں شر کا وجود، خیر و شر کی کشمکش، انسان کی خود مختاری، اعمال کی انفرادی ذمہ داری، قیامت، حساب و کتاب، اور جنت دوزخ وغیرہ کے تصور کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اس سے متعلق سلجھے ہوئے اور واضح تصورات پیش کیے۔

زرتشت کے جو حالات اوستا سے ملتے ہیں، اس کے مطابق ان کا دائرۂ عمل اور ان کی مذہبی تحریک کی نشوونما خراسان اور شمالی افغانستان کے علاقوں میں ہوئی، کیونکہ یہاں ان کو ایک مقامی سردار کی سرپرستی یا حمایت حاصل ہوگئی تھی۔ زرتشت خود اس علاقے کے رہنے والے نہیں تھے۔ وہ مغربی ایران کے یارے نامی علاقے سے یہاں آئے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور زمانے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، پھر بھی خیال ہے کہ شاید ان کی تاریخ پیدائش ۶۲۸ ق۔م اور تاریخ وفات ۵۵۱ ق۔م ہے۔ وہ اپنی کم عمری ہی سے غور و فکر کے شوقین اور حقیقت کے متلاشی تھے۔ چنانچہ ۱۵ سال کی عمر میں انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی تھی، اور ایک لمبے عرصے تک حقیقت اعلیٰ کی تلاش و جستجو میں جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہنے کے بعد تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں زرتشت کو خدائے واحد (رہورامزد) کا مکاشفہ حاصل ہوا، اور تب ہی سے زرتشت کے پیغمبرانہ دور کا سلسلہ شروع ہوا۔

ساتویں صدی قبل مسیح، زرتشت مجوسیوں کے مذہبی طبقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا مذہب پہلے بلخ کے علاقہ میں پھیلا، پھر یہاں سے سارے ایران میں پھیل گیا۔ جس زمانہ میں کہ ساری انسانیت خیالی ہستیوں کی عبادت میں مبتلا تھی، زرتشت نے ایک معبود حقیقی کی طرف بلایا جس کا نام خالق اکبر تھا اور اس کی صفات تعداد میں چھ تھیں۔ گاتھا میں ان صفات کو بعض مقامات پر ملائکہ بھی قرار دیا گیا

Marfat.com

ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ زرتشت مجوسی تھے۔ یونانیوں نے زرتشت کو مجوسی قرار دیا ہے۔ مگر مجوسی ثنوئیت کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں ایک یزدان یعنی خالق خیر اور دوسرا اہرمن یعنی خالق شر۔ لیکن زرتشت وحدانیت کے قائل تھے اور یہ پہلے مصلح تھے جنہوں نے وحدانیت کو سحر اور نجوم سے پاک کر کے خالص اور بے آمیز شکل میں پیش کیا۔

زرتشت کے نزدیک اچھے انسان مرنے کے بعد ایک ایسی زندگی میں داخل ہوں گے جن میں نیک اعمال اور اچھے خیالات کا چلن ہوگا۔ اس کے برعکس بُرے انسان مرنے کے بعد بُرے اعمال اور خیالات سے دوچار ہوں گے اور انہیں سزا بھی ملے گی۔ گاتھا کا ایک بڑا حصہ ان سزاؤں پر مشتمل ہے جو گنہگاروں کو بھگتنی پڑیں گی۔ ان سزاؤں میں سب سے اہم آگ ہے جو بدکرداروں پر اوپر سے برسائی جائے گی۔ بعد کی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ راست باز لوگ اس آگ سے اس طرح گزریں گے جیسے دودھ کی نہر میں سے گزرے۔ لیکن بداعمال لوگ اس میں جل جائیں گے۔ اس سے بھی زیادہ اہم تصور ایک پل کا ہے جو کوہ البرز پر بنا ہوا ہے اور جس کے نیچے دوزخ کی آگ پھیلی ہوئی ہے۔ جب نیک کردار لوگ اس پل پر سے گزریں گے تو وہ نہایت وسیع ہو جائے گا، لیکن بداعمالوں کے گزرنے پر وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہو جائے گا۔

زرتشت نے ایمانداری اور راستبازی پر زور دیا ہے۔ زمین کی کاشت اور جانوروں کی پرورش زرتشتی مذہب کی تعلیم میں بہت بڑی نیکیاں شمار ہوتی ہیں۔ اس طرح اس نے ایک محنتی، ایماندار اور خوشحال معاشرہ کی تخلیق کے لیے راہ ہموار کر دی۔ زرتشت کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں میں قدیم عقائد پھر اُبھر آئے۔ ویدوں کے عقائد و تصورات اور مظاہر فطرت کی پرستش کا دور دورہ پھر شروع ہو گیا۔ مجوسیوں نے زرتشت کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گویا وہ بھی ساحر

Marfat.com

اور کاہن تھے، جس کو مستقبل کے واقعات بھانپنے میں خاص مہارت تھی اور اس کی بیوی ایک دیوی تھی۔ نیز یہ تصور بھی پیدا ہوا کہ زرتشت تمام پجاریوں کے سردار اور ان تمام رسوم وشعائر کے موجد تھے جن کی بنا دراصل مجوسیوں نے ڈالی تھی۔ زرتشت کے بعد جادو منتر اور ستارہ شناسی کا رواج دوبارہ شروع ہوا۔ نیز مُردوں کو جانوروں اور پرندوں کے سامنے ڈالنے کا طریقہ پھر رائج ہوگیا۔ اوستا میں ایسے عناصر داخل کر دیئے جن کا گاتھا میں کوئی ذکر نہیں تھا۔ پرستش کے نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ خدا اور اس کی مخلوق دونوں کو معبودیت کا یکساں درجہ دے دیا گیا۔ گاتھا کو منتر بنا دیا گیا۔ زرتشت نے جادو منتر کو اپنے مذہب سے بالکل خارج کر دیا تھا، مگر ان کا پھر وہی زور ہوگیا۔

نوجوت کی رسم ادا ہوجانے کے بعد ہی ایک زرتشتی بچہ زرتشی مذہب میں داخل ہوتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات

جدید دور کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اوستا کے اس حصہ کی تعلیمات، جو گاتھاؤں کے نام سے منسوب ہیں، زرتشت کی اپنی تعلیمات کہی جاسکتی ہیں، کیونکہ بعد کے زمانے میں جو تبدیلیاں آئیں، اس میں زرتشت کی اصل تعلیمات کا بڑا حصہ مسخ ہوگیا۔ بعض مغربی محققین اور خود کچھ پارسی علماء نے بھی اپنی تحقیقات کے ذریعہ اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔

گاتھاؤں کے مطالعہ سے زرتشت کی تعلیمات میں سب سے نمایاں اور مرکزی اہمیت خدائے واحد کے تصور اور اسی کو معبودِ حقیقی ہونے پر دی گئی ہے۔ اگرچہ اس وقت ایران میں بہت سے اہوراؤں کی پرستش ہوتی تھی، مگر زرتشت نے ان اہوراؤں میں سے اہورامزد (معبود حکیم) کو ہی معبودِ حقیقی اور خدائے واحد ہونے کا اعلان کیا، اور اس کی ایسی صفات اور خصوصیات پیش کیں جن سے

Marfat.com

صرف اسی کے لیے مالک دو جہاں اور بندگی کے لائق ہونے کا تصور واضح ہوگیا۔ زرتشت نے اہورا مزدکو کائنات کا خالق، مالک دو جہاں، سب کا پالن ہار، قدرت کا مالک، علیم وخبیر، ازلی وابدی اور سب سے بلند وبالا معبود حقیقی کے طور پر پیش کیا ہے۔ زرتشت نے اہورامزد کے سلسلہ میں جو تعلیمات پیش کی ہیں، وہ موحدانہ قسم کی ہیں اس بناپر زرتشت کوتوحید کے علمبردار ایک ایرانی پیغمبر کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

زرتشت نے ایک ایسے خدائے واحد کا تصور پیش کیا ہے جو حیّ وقیوم اور کائنات کی تمام چیزوں کا مالک، رحیم وکریم ہے۔ وہ سب سے بڑا انصاف کرنے والا اور قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا یا بُرا بدلہ دینے والا ہے۔ اہورامزد کی بعض اہم صفات کو متعین شخصیات کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے، جن کی حیثیت ایسے درمیانی واسطے کی ہے جن کے ذریعہ اہورامزد کائنات کی حکمرانی کے کاموں کو انجام دیتا ہے، اس صورت میں یہ شخصیات دینِ اسلام کے فرشتوں سے زیادہ مختلف نہیں معلوم ہوتیں۔

زرتشت کی تعلیمات میں دوسرا اہم عنصر، کائنات میں خیروشر کی باہمی کشمکش کے ایک ہمہ گیر تصور کا ہے۔ زرتشتیت دنیا کے ان مذاہب میں سے ہے جنہوں نے اس مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی ہے، اور زندگی کے اس پہلو کو توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں واضح اور تفصیلی تعلیمات پیش کی ہیں۔ یہ موضوع ان کی اکثر تعلیمات میں مختلف صورتوں میں جھانکتا نظر آتا ہے۔ زرتشت کی تعلیمات میں اگرچہ معبودِ حقیقی خیروشر کی کشمکش سے بالاتر ہے، اور کائنات میں یہ کشمکش اسی کی اجازت سے جاری ہے، پھر بھی اہورامزد خیر کو پسند اور شر کو ناپسند کرتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات کا ایک اور اہم پہلو جس نے بعض لوگوں کے خیال میں دوسرے مذاہب کو بھی متاثر کیا ہے، وہ انسان کے مرنے کے بعد کی زندگی اور آخرت سے متعلق تصورات ہیں۔ زرتشت نے اس سلسلہ میں اپنی تعلیمات کو

Marfat.com

بہت واضح طور پر پیش کیا ہے، کہ مرنے کے بعد انسان کی زندگی ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اس کی روح کو ایک پُل سے گزرنا ہوتا ہے، نیک انسان کی روح بہ آسانی اس پر سے گزر جاتی ہے، اور دوسری جانب جنت میں اپنا ٹھکانہ بنالیتی ہے، بُرے انسان کی روح کو پُل کی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آخر کار پُل سے گر کر دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالیتی ہے۔ اس کے علاوہ زرتشت نے ایک مقررہ وقت پر دنیا کا خاتمہ، مُردوں کا زندہ ہونا، اجتماعی حساب وکتاب یعنی قیامت کا تصور بھی پیش کیا ہے۔

زرتشت کے نزدیک آگ ایک مخصوص مذہبی اہمیت کی حامل ہے، جو اپنی نورانی صفت کے پیش نظر اس دنیا میں اہورامزد کا نشان اور نمائندہ سمجھی گئی، لہٰذا آگ کی تعظیم وتقدیس زرتشت کے نزدیک اہورا مزد سے اپنے تعلق کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ یہی تصور زرتشتی آتش پرستی کی بنیاد ہے۔ آتش کدوں میں آگ کی عبادت کے پانچ اوقات مخصوص تھے۔ البتہ تہواروں کے مواقع پر ان میں خصوصی شان پیدا ہوجاتی تھی۔ آگ کی عبادت میں ایک خاص نذر اس پر ہوم رس (ہندوستانی سوم) کا چڑھاوا تھا، جو اپنی پیچیدہ اور طولانی رسومات کی وجہ سے دن میں صرف ایک بار ہی ہو پاتا تھا۔ زرتشت کے نزدیک مخلوقات کو اپنے ارادے اور عمل میں پوری آزادی حاصل ہے، اور تمام مخلوقات اپنی مرضی سے خیر یا شر کو پسند کرنے میں مکمل آزاد ہیں۔ ارادے کی یہ آزادی زرتشت کے اس مذہبی رجحان کی دین ہے جس میں اخلاقیات کو ایک نمایاں جگہ دی گئی ہے۔

زرتشت کے نزدیک یہ دنیا دارالعمل ہے جہاں خیر اور شر کی کشمکش ہر سطح پر جاری ہے۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں خیر کے مطابق زندگی گزارے، یعنی اپنے لیے خیر کو پسند کرے اور شر کو رد کرے۔ غرض خیر وشر کا یہ موضوع زرتشت کی اکثر تعلیمات میں جھانکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ زرتشت کے بعد ان کے ماننے والوں نے کائنات میں خیر وشر کو دو الگ الگ طاقتوں کے

Marfat.com

سربراہوں کی صورت میں ماننا شروع کر دیا جس کی وجہ سے وہ دو خداؤں پر عقیدہ رکھنے والے قرار پائے۔

ہندوستان میں زرتشتیت کی نشوونما

ایران پر عربوں کی فتح کے بعد ان کے مذہب اور حکومت سے بچنے کی خاطر زرتشتیوں کی ایک جماعت نے خراسان کے پہاڑوں میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ایک لمبا عرصہ گزارا، اور اپنے آپ کو اسلام کے اثرات سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے۔ پھر وہاں سے چھپتے چھپاتے کسی طرح خلیج فارس کی ہُرمز بندرگاہ سے روانہ ہوکر کاٹھیاواڑ کے قریب پہنچے۔ یہاں کچھ وقت گزارنے کے بعد آٹھویں صدی کے آخر میں گجرات کے مغربی ساحل پر اُترے، جہاں اس وقت جادورانا نامی راجہ کی حکومت تھی۔ کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ راجہ نے ان نئے آنے والے مہمانوں کو ساحل کے قریب قیام کی اجازت دے دی۔ ان لوگوں کو یہاں قیام کے دوران نہ صرف اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ملی بلکہ راجہ کی طرف سے انہیں معاش کے لیے زمین[1] بھی دی گئی۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے یہ زرتشتی پارسی مہاجرین، گجرات اور اس کے آس پاس کے شہروں میں پھیل گئے، اور زندگی کے مختلف میدانوں میں کامیابی حاصل کرتے کرتے صنعت، تجارت اور دیگر شعبوں میں غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی۔

پندرہویں صدی کے آخر تک ہندوستان کے یہ پارسی چند مسائل میں جزوی تبدیلیوں کے علاوہ اسی زرتشتیت پر عمل پیرا رہے جو زمانۂ قدیم یعنی ساسانی عہد میں رائج تھی۔ جدید مذہبی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ہندوستانی پارسیوں نے اپنے ایک نمائندہ کو ایران بھیج کر ایرانی زرتشتیوں سے اپنے اس قدیمی رشتہ کو پھر تازہ کیا جو تقریباً سات صدیوں پہلے منقطع ہوگیا تھا۔ مذہبی صلاح

---

[1] پیلونا ناوتی 'دی پارسیز' صفحہ ۴۲، ۴۳

Marfat.com

ومشہور کا یہ سلسلہ تین صدیوں تک جاری رہنے کے بعد پھر بند ہوگیا۔ دورِ جدید میں ایک بار پھر یہ رشتہ قائم کیا گیا، جو آج تک قائم ہے۔ ہندوستان میں اس وقت پارسیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ کے آس پاس بتائی جاتی ہے۔

ہندوستان میں یورپی اقوام کے آتے ہی ان پارسیوں نے ان کے ساتھ گہرے تجارتی اور صنعتی تعلقات قائم کرلئے، جس کی مدد سے پارسیوں نے معاشی اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی اور ہندوستان کی سب سے خوشحال جماعت بن گئی، نیز انگریزوں سے اپنے قریبی مراسم کی بنیاد پر ہندوستان کی دوسری اقوام کے مقابلہ میں مغربی تعلیم وتربیت اور تہذیب وتمدن کے اثرات ان پر سب سے زیادہ پڑے۔ غرض ان لوگوں نے اس پورے دور میں معاشی اور تعلیمی، ہر میدان میں غیر معمولی ترقی حاصل کرتے ہوئے اپنا ایک الگ مقام بنالیا۔ صنعت وتجارت اور مختلف علوم وفنون میں اس قوم نے ملک کو بعض نامور شخصیات فراہم کیں۔

○○○

Marfat.com

سکھ مت

خدائے واحد کی عقیدت و محبت کے ساتھ پرستش کی روایت ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ آٹھویں صدی قبل مسیح کے آس پاس سری کرشن نے واسودیو کی پرستش کی صورت میں جس مذہب کی تبلیغ کی تھی، وہ یہی بھکتی کا مسلک تھا[1] دوسری صدی قبل مسیح کے لگ بھگ بھگوت گیتا میں پہلی بار بھکتی مت کو ایک مستقل اور منظم مسلک عبودیت کے طور پر ضابطۂ تحریر میں لایا گیا۔ اس زمانہ میں اس تحریک میں ایسے بہت سے روحانی بزرگ پیدا ہوئے جو خدائے واحد کے لیے بہت سے ہندی اصطلاحات والے نام جیسے رام، ہری اور سوامی وغیرہ کا استعمال تو کرتے تھے لیکن اس سے مراد خالقِ کائنات کی ذات ہی تھی۔

عہد وسطیٰ کی پوری بھکتی تحریک، ہندوستانی اور اسلامی تہذیب وتمدن کے لین دین اور میل ملاپ سے ایک ایسے انقلابی نتیجہ تک پہنچ گئی جو ہندوستانی معاشرہ کی مذہبی زندگی کے لیے بہتر ثابت ہوا۔ ہندومت اور اسلام دونوں کے مذہبی رہنماؤں نے ظاہری رسومات اور اعمال کو حقیقت اعلیٰ تک پہنچنے میں رکاوٹ گردانتے ہوئے اس تعلیم پر زور دیا کہ ذاتِ خداوندی کا عرفان انسان کے اپنے جذبۂ اخلاص اور خدا سے قلبی تعلق پر مبنی ہے، نہ کہ مذہبی اعمال اور رسومات پر۔ اس طرح عشق حقیقی کو سچی مذہبیت کا حاصل قرار دیا گیا۔ بے نفسی، ایثار، ہمدردی،

---

[1] آزاد فاروق 'صوفی ازم اینڈ بھکتی'، نئی دہلی ۱۹۸۴ء صفحہ ۴۰-۳۶۔

Marfat.com

خدمت خلق اور خاکساری جیسی مسلک عشق کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ ظاہری احکامات اور رسومات کی جگہ باطنی کیفیت کی اصلاح اور خدا سے قلبی تعلق پر زور دینے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ذات پات کی تقسیم کی شدت سے مخالفت کی گئی۔

یہی وہ بھکتی کا ماحول تھا جو اسلامی عہد کے ہندوستانی معاشرہ پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ دوسری طرف صوفیا کے مختلف سلسلے جو ہندوستان میں ہر طرف پھیل چکے تھے، وہ بھی عملاً اپنے مشاہدات اور مذہب کے باطنی تجربات پر زور دینے میں بھکتی تحریک کے سنتوں سے زیادہ مختلف نہ تھے۔

غرض یہی وہ مذہبی ماحول تھا جس میں سکھ مت کے بانی گرونانک جی نے آنکھیں کھولیں، اور پھر اپنے عشق حقیقی کے ذاتی تجربات اور مذہبی احساسات کی شدت کی بنیاد پر بھکتی مت کو نئی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

حالات زندگی اور تعلیمات

گرونانک صاحب سکھ مذہب کے بانی تھے۔ ان کی پیدائش ۱۵/اپریل ۱۴۶۹ء میں لاہور سے تقریباً پچاس میل جنوب مغرب میں ایک گاؤں تل ونڈی میں ہوئی تھی جو اب ننکانہ صاحب کہلاتا ہے۔ وہ بیدی کھتری خاندان کے فرد تھے۔

گرونانک نے ابتدائی عمر میں سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا اور اس وقت کے عام دستور کے مطابق گاؤں کی مسجد کے مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کا مذہبی رجحان روز بروز نمایاں ہوتا گیا۔ ان کے والد مہتہ کالو گرونانک کے مذہبی انہماک کو دیکھتے ہوئے ان کے دنیوی مستقبل کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ مگر گرونانک کاروباری زندگی سے احتراز کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ان کے والد نے معقول رقم دے کر ایک آدمی کے ساتھ قریب ترین بازار میں بھیجا تاکہ سامان خریدیں اور

Marfat.com

کاروبار کی ابتدا کر دیں۔ گرونانک رقم لے کر بازار کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں انہوں نے سادھوؤں کی ایک جماعت کو دیکھا جو کئی وقت سے فاقہ کشی میں مبتلا تھی۔ گرونانک نے ان سے حالت دریافت کی اور ساری رقم ان کے کھانے پینے کا سامان خریدنے میں صرف کر دی۔

ان کی شادی بٹالہ کے ایک کھتری خاندان کی لڑکی سلکھنی سے ہوئی جس سے ان کے دو لڑکے سری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے۔ اس دور میں بھکتی کا بہت زور تھا۔ گرونانک نے بھی اس کا اثر لیا۔ انہوں نے پہلے ہی ایک خدائے واحد کی پرستش اختیار کر رکھی تھی اور خدائے واحد کی حمد وثنا اور عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کیا کرتے تھے اور صبح اندھیرے منہ بین ندی کے کنارے اپنے بچپن کے ساتھی مروانہ کے ساتھ پہنچ جاتے تھے اور ندی میں غسل کرنے کے بعد دن چڑھے تک خدا تعالیٰ کی حمد وثنا اپنے اشعار میں کیرتن کی شکل میں کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح شام کو بھی رات گئے تک کیرتن کی محفل جمتی تھی۔

ایک دن گرونانک بین ندی میں نہانے کے لیے اُترے تو غوطہ لگانے کے بعد باہر نہ نکلے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ ڈوب گئے۔ چنانچہ ان کی لاش کی تلاش کی گئی مگر وہ بھی نہیں ملی۔ مگر تین دن کے بعد گرونانک صاحب دوبارہ ظاہر ہوئے مگر اس بارے میں زبان سے کوئی لفظ نہ نکالا کہ وہ کہاں گئے تھے۔ اگلے روز جب انہوں نے زبان کھولی تو پہلا کلمہ ان کی زبان سے یہی نکلا ''نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان''۔ اس واقعہ کے بعد گرونانک صاحب تمام ذمہ داریوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر کے جنگل میں گوشہ نشین اور یادِ الٰہی میں ہمہ تن مشغول رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ شہر میں آئے اور عزیزوں کے منع کرنے کے باوجود اکناف عالم میں گھوم کر ذکر الٰہی کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے۔ چنانچہ انہوں نے پچیس سال تک سفر کیے۔ اسفار کا یہ سلسلہ انہوں نے ۱۴۹۷ء میں شروع کیا تھا۔ پہلا سفر مشرقی ہندوستان میں بنگال، آسام تک اور واپسی

Marfat.com

میں اڑیسہ اور وسط ہند ہوتے ہوئے راجستھان تک کا رہا اور جہاں جہاں رُکے، وہاں اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔

دوسرے سفر میں جنوب کی طرف گئے اور سری لنکا تک پہنچے۔ تیسرا سفر شمالی کی طرف کیا اور ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں اور کشمیر ہوتے ہوئے تبت گئے۔

چوتھا سفر سعودی عرب، عراق، ایران اور وسط ایشیا تک ہوا۔ اسی سفر میں گرونانک نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا لباس اختیار کیا تھا۔ اس سفر کے بعد وہ پنجاب واپس آ گئے۔

دوسرے سفر سے واپسی پر ایک عقیدتمند اجتیا رندھاوا اور کچھ دوسرے کسانوں نے ان کی سسرال سے قریب ایک زمین ان کو نذر کی تھی۔ اس زمین پر گرونانک نے ایک گاؤں کی بنیاد ڈالی جس کا نام کرتار پور رکھا اور وہیں بس گئے، اور سال بھر کے بعد اپنے والدین کو بھی وہیں بلا لیا، جن کا کچھ عرصہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ وہیں گرونانک صاحب نے کھیتی کا پیشہ اختیار کر لیا تاکہ ان کی تقلید کرتے ہوئے لوگ حلال کمائی کی طرف راغب ہو جائیں۔ کرتار پور میں گرونانک صاحب نے اپنا ڈیرا قائم کر لیا جہاں روزانہ صبح و شام کو کیرتن ہوتا تھا جس میں گرونانک صاحب کا پُر اثر کلام پڑھا جاتا تھا، جس میں عشق حقیقی کے جذبات اور بلند اخلاقی تعلیمات ہوتی تھیں۔ کھانے کے اوقات میں بلا تفریق ذات پات اور بلا امتیاز مذہب و ملت سبھی اکٹھے بیٹھ کر لنگر کا کھانا کھاتے تھے۔ نئے اور پُرانے معتقدین یا امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

اپنی روحانی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ایک مرید راہنا کو فنا فی الشیخ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز پا کر انگد (اپنی ذات کا جزو) کا خطاب دیا اور اس کو گرو کے منصب سے نوازا، اور اس کو گرو کی گدی پر بٹھا کر خود مُرید کی حیثیت سے نذرانہ پیش کیا۔ اس واقعہ کے بیس دن بعد گرونانک صاحب رحلت فرما گئے۔

Marfat.com

تعلیمات

سلطان پور میں گرونانک جی کو جو مرکزی روحانی تجربہ ہوا تھا، اس کا سب سے پہلا شعری اظہار 'مول منتر' کی شکل میں ہوا۔ سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کے سارے کلام میں مول منتر (بنیادی کلمہ) کو سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مول منتر کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ گرونانک جی کا عقیدۂ توحید، اسلامی نظریۂ توحید سے مختلف نہیں تھا، جیسے:

ایک اونکار،	ست نام	کرتا پُرکھ	نربھو	نرویر
(خدا ایک ہے)	(اسی کا نام سچ ہے)	(وہی قادرِ مطلق ہے)	(وہ بے خوف ہے)	(اسے کسی سے دشمنی نہیں)

اکال مورتی	اَجوتی	سیہ بھن	گرپرسادی
(وہ ازلی اور ابدی ہے)	(بے شکل و صورت ہے)	(قائم بالذات ہے)	(خود اپنی رضا اور توفیق سے حاصل ہوتا ہے)

گرونانک نے کسی شریعت کی پابندی اور ظاہری قوانین کی اطاعت کے مقابلے میں تقدیرِ الٰہی پر راضی رہنے پر زور دیا ہے۔ یعنی کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے، اس لیے خدا کی مرضی کے مقابلے میں اپنی مرضی اور خواہش کو ختم کر کے راضی بہ رضا رہتے ہوئے ہی انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ 'جپ جیؔ' سکھوں کے یہاں تقدیس میں 'مول منترؔ' کے بعد دوسرا درجہ رکھتا ہے۔ گرونانک جی نے عشقِ الٰہی کے حصول کے لیے انسان کو انانیت سے چھٹکارا پانے پر بہت زور دیا ہے۔ انانیت کے علاوہ گرونانک نے بعض دوسری نفسانی خرابیوں مثلاً کام (خواہشات) لوبھ (لالچ) موہ (دنیا سے تعلق) کرودھ (غصہ) وغیرہ کو بھی اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں ان اندرونی بیماریوں سے نجات پائے بغیر عشقِ الٰہی کا حصول مشکل ہے۔ سکھ مت میں سب سے بنیادی چیز، جس کو سکھ کا طریقِ عبادت بھی کہا جا سکتا ہے، نام سمرن یا ذکرِ الٰہی ہے۔ یہ خدا

Marfat.com

کا نام لیتے رہنے کا ایک عام طریقہ ہے، نام سمرن کے لیے بعض لوگ چھوٹی تسبیح کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ تاہم سمرن کا سب سے اہم اور مفید طریقہ کیرتن کی شکل ہے، جس میں باجماعت موسیقی کے ساتھ گرنتھ صاحب کے کلام کا ورد ہوتا ہے۔

نام سمرن کے علاوہ جو چیزیں گرونانک کے نزدیک عشق الٰہی کے حصول میں معاون ہوتی ہیں، ان میں سادھو سنگت، سیوا، ایمانداری کی روزی، انکسار اور مخلوق سے محبت اور ہمدردی جیسی صفات شامل ہیں۔ گرونانک رُہبانیت کے سخت مخالف تھے۔ کرم اور آواگون کو بھی گرونانک جی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے خیال میں جب تک انسان عشقِ الٰہی میں کمال حاصل کر کے خدا کو نہیں پالیتا، وہ بار بار اسی دنیا میں جنم لیتا رہے گا۔ اس طرح ان بے شمار زندگیوں کی تعداد ۸۴ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

گرونانک صاحب کی تعلیم میں گرو کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے یعنی خدا تک پہنچنے کے لیے ایک پیر و مرشد کی ارادت ضروری ہے جس کی رہنمائی اور تعلیم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ثابت ہو۔

'گروانگد' نے گرونانک صاحب اور دوسرے صوفی سنتوں کا کلام لکھنے کے لیے سکھوں کا اپنا رسم الخط 'گورمکھی' ایجاد کیا اور گرونانک صاحب کے ایک پرانے ساتھی بالا کے ذریعہ گرونانک صاحب کی ایک سیرت مرتب کرائی جس میں ان کی تعلیمات کی تلخیص بھی موجود تھی۔

سکھوں میں دس گرو ہوئے ہیں جن میں زیادہ مشہور تیسرے گرو امرداس ہوئے جنہوں نے سکھ عقیدتمندوں کو منظم کرنے کے لیے ان کو بائیس منجیوں (حلقوں) میں تقسیم کر دیا اور ہر حلقہ کے لیے ایک آزمودہ کار اور روحانی اعتبار سے ترقی یافتہ سکھ کو بطور سربراہ اور اپنا نائب مقرر کر دیا، جنہوں نے بعض عوامی خدمات بلاتفریق مذہب وملت انجام دیں۔

چوتھے گرو رام داس نے سکھوں کی شادی اور مرنے کی رسومات ہندو مذہب

Marfat.com

سے الگ متعین کیں۔ نیز ستی کی رسم کی مخالفت کی اور بیواؤں کی شادی پر زور دیا اور ایک قدرتی پانی کا چشمہ اکبر بادشاہ سے حاصل کر کے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں تبدیل کرا دیا۔ بعد میں یہ تالاب امرتسر (چشمۂ آب حیات) کے نام سے مشہور ہوا، اور شہر کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ گرو رام داس کے بعد گرو کا عہدہ ان کی اولاد میں موروثی ہو گیا اور بعد کے گروؤں میں مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ دنیاوی بادشاہت کا تصور بھی شامل ہو گیا۔

پانچویں گرو، گرو ارجن سنگھ نے گرو گرنتھ صاحب تیار کی اور امرتسر کے تالاب میں سکھوں کے لیے ایک مرکزی عبادت گاہ ''ہری مندر'' کی تعمیر کی، جسے اب ''دربار صاحب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گرو ارجن سنگھ نے سکھوں سے دسونتھ (عشر) وصول کرنے کا انتظام کیا اور اس کی وصول کے لیے ہر حلقہ (منجی) میں ایک عامل مقرر کیا اور تین مزید شہر، ترن تارن، کرتار پور اور ہرگوبند پور آباد کیے۔ پھر جہانگیر بادشاہ وقت سے مخالفت ہو گئی تو جہانگیر نے گرو ارجن کو قتل کرا دیا اور ان کا مال واسباب ضبط کرالیا۔ اس کے بعد گرو ارجن کے صاحبزادے گرو ہرگوبند کے دور میں سکھ جماعت، ایک مذہبی ملت کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے کھل کر سامنے آ گئی۔ گرو گوبند نے تخت نشینی کے وقت اپنے داہنے اور بائیں طرف ایک ایک تلوار رکھی اور کہا کہ ایک تلوار ''میری'' کی ہے اور دوسری ''فقیری'' کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے تمام معتقدین کو مسلح رہنے کا حکم دیا۔ انہیں تین مرتبہ پنجاب کے مغل گورنر سے لڑنا پڑا اور ہر مرتبہ گرو ہرگوبند کامیاب رہے، مگر اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ کر امرتسر کی رہائش ترک کر کے شمال مشرق کے علاقہ میں ایک باغی راجہ کے پاس چلے گئے۔

نویں گرو تیغ بہادر ایک صلح پسند اور صوفی منش آدمی تھے اور اپنے کو تیغ بہادر کی بجائے دیغ بہادر کہلوانا پسند کرتے تھے۔ جس سے مراد سخاوت اور مہمان نوازی تھی۔ وہ دس سال زندہ رہے۔ اورنگ زیب نے انہیں ولی بلوایا اور سکھ روایات

Marfat.com

کے مطابق مسلمان ہونے سے انکار کرنے پر انہیں قتل کروادیا۔ چنانچہ سکھوں کو بہت زیادہ غصہ آیا اور دسویں گرو گوبند سنگھ جو گرو تیغ بہادر کے صاحبزادے تھے۔ مغل حکومت کے سخت مخالف ہوگئے۔ وہ علم وفن، شاعری، وجنگ، شہسواری، مردانگی اور جرأت میں طاق تھے۔

گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کو منظم کرنے کے لیے باضابطہ ارادت (پاہل) کا سلسلہ شروع کیا۔ وفاداری کے سخت ترین امتحان کے بعد سب سے پہلے پانچ سکھ جو مختلف ذاتوں کے تھے، ایک مخصوص رسم کے ذریعہ جو ''امرت چکھنا'' کہلاتی ہے، مریدین کے حلقہ میں داخل ہوئے اور ''خالصہ'' کہلائے۔ اس کے بعد مجموعی داخلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد ہزاروں سکھ ''خالصہ'' میں داخل ہوئے اور گرو گوبند سنگھ نے کچھ شرعی قوانین بھی بنائے، مثلاً تمباکو سے پرہیز، حلال گوشت سے ممانعت، مردوں کے لیے اپنے نام میں ''سنگھ'' (شیر) اور عورتوں کے لیے ''کور'' (شہزادی) کا استعمال اور پانچ چیزوں کا جو ''ک'' سے شروع ہوتی ہیں رکھنا ضروری قرار دیا، یعنی ''کیس'' (بال)، کنگھا، کڑا (ہاتھ میں پہننے کا)، ''کچھ'' (جانگھیہ) اور ''کرپان'' (تلوار)۔

خالصہ کی تشکیل کے بعد ہی گرو گوبند سنگھ نے مغل سلطنت سے لڑنے کے لیے فوجی کارروائیاں شروع کردیں اور پہاڑی علاقہ کی مختلف ریاستوں میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہا، مگر وہاں کے راجاؤں نے مغل حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے سے انکار کردیا تو ان ریاستوں پر گرو گوبند سنگھ نے حملہ کردیا۔ ان راجاؤں نے اورنگ زیب کے دربار میں شکایت کردی کہ گرو گوبند سنگھ مغل حکومت کے خلاف باغیانہ کارروائیاں کررہے ہیں۔ اورنگ زیب نے سرہند کے حاکم کو گرو گوبند سنگھ کی تنظیم کو ختم کرنے پر مامور کیا۔ حاکم سرحد نے جو فوجی اقدامات کیے، ان سے گرو گوبند سنگھ کی فوجی قوت پارہ پارہ ہوگئی اور ان کے خاندان کے تمام افراد بھی کام آگئے اور گرو گوبند سنگھ نے بھیس بدل کر زندگی کے آخر ایام دکن میں

Marfat.com

گزارے، جہاں دو افغانیوں نے انہیں زخمی کردیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر انتقال کر گئے۔

اپنے انتقال سے پہلے انہوں نے طے کردیا تھا کہ اب آئندہ کوئی آدمی سکھوں کا گرو نہ ہوگا، بلکہ ان کی کتاب گرنتھ صاحب ہی ان کے لیے ہمیشہ گرو کا کام کرے گی۔ اس کے بعد سکھ سرداروں نے مختلف سیاسی حلقے قائم کرلیے جو مِسَل کے نام سے مشہور ہیں، اور جمنا سے سندھ تک کے علاقہ میں ایک طرح سے ان مِسلوں کی ایک سکھ ریاست ہائے متحدہ بن گئی۔ اس کے بعد سکر چکیا مسل کے ایک وارث رنجیت سنگھ نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ضم کرکے ایک وسیع علاقہ میں جو کشمیر سے صوبۂ سرحد تک اور دریائے ستلج سے ملتان تک اپنی واحد حکومت قائم کرلی اور مہاراجا کا لقب اختیار کیا۔ ستلج سے مشرق کی سکھ ریاستوں نے انگریزی حکومت کی پناہ لے لی۔ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد خانہ جنگیوں اور سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ سکھوں اور انگریزوں کے درمیان دو لڑائیوں کے بعد مہاراجا رنجیت سنگھ نے تمام علاقہ پر قبضہ کرلیا۔

بابا گرونانک دیو کی تعلیمات میں ہمیں حسب ذیل باتیں بھی ملتی ہیں:۔

(۱) آپ نے نماز کا حکم فرمایا (جنم ساکھی بھائی بالے والی وڈی صفحہ ۲۲۱)[1]

(۲) آپ نے روزہ رکھنے اور پانچ نمازوں کا حکم فرمایا (گرنتھ صاحب سری راگ مجلہ صفحہ ۲۴)[2]

(۳) آپ نے ختم نبوت پر ایمان لانے کا حکم فرمایا (جنم ساکھی)[3]

---

[1] 'جنم ساکھی' بھائی بالے والی وڈی صفحہ ۲۲۱

[2] گرنتھ صاحب سری راگ مجلہ صفحہ ۲۴

[3] جنم ساکھی صفحہ ۱

Marfat.com

یہودیت

عبرانی نسل نے اپنی تاریخی روایات کی جتنی حفاظت کی ہے۔ اس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ملتی۔ یہودیوں میں اپنے تاریخی تسلسل کا شعور سب سے زیادہ قوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدویانہ خانہ بدوشی کی زندگی سے لے کر فلسطین میں آباد ہونے اور پھر مختلف ملکوں میں منتشر ہونے اور طرح طرح کے آفات ومصائب کا شکار ہونے کے باوجود، ان کی مذہبی کتابوں میں روایات کا ایک بے نظیر تاریخی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کا تاریخی شعور نہایت بیدار تھا۔ یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں جو تاریخی حالات درج ہیں وہ کم وبیش، اغلاط کے باوجود واقعیت سے خالی نہیں ہیں۔ کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے آبا واجداد انہیں خانہ بدوش قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے شمالی عرب اور ملحقہ ممالک میں پھرا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے آبا واجداد عراق کے باشندے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد ایک بابلی شہر 'اُر' کے رہنے والے تھے۔ یہاں سے وہ شمال مغربی عراق کے ایک شہر میں ہجرت کر کے منتقل ہو گئے تھے۔

یہودیت کا تاریخی ارتقاء

بعض نئی تحقیقات کے لحاظ سے یہودی مذہبی روایات کا سلسلہ ایک قدیم

Marfat.com

سلسلہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ جیسے بزرگ سے جاملتا ہے۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت، ان تینوں مذاہب میں قدامت کے لحاظ سے یہودیت کو اولیت حاصل ہے، اور دنیا کی مذہبی روایات میں یہودیت سب سے زیادہ تاریخی شعور بھی رکھتی ہے۔ تمام مذہبی کتابوں میں یہودیوں کی کتاب توریت میں سب سے زیادہ تاریخی واقعات پائے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے مطابق دنیا اور ان کی اپنی قومی تاریخ خدا کی ہی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہے، اسی لیے وہ لوگ اپنے آس پاس کی قوموں کے عروج و زوال، فتح وشکست، کامیابی وناکامی، سب میں یہ لوگ خدا کا ہاتھ دیکھنے کے عادی تھے، کیونکہ ان لوگوں نے خدا کو تاریخ کے ذریعہ ہی پہچانا تھا۔ ان کے خیال میں خدا نے ابتداء سے ہی اپنے آپ کو انسانی تاریخ سے وابستہ کر دیا تھا، اسی لیے بنی اسرائیل تاریخ کے ہر واقعے کو خدا کے فعال اور حاضر وناظر ہونے کی علامت سمجھتے تھے۔

دنیا کی تاریخ سے زیادہ، بنی اسرائیل خدا کو اپنی قومی تاریخ میں کارفرما دیکھتے تھے، کیونکہ خدا نے حضرت ابراہیم پر اپنے ظہور کے ساتھ ہی اپنے آپ کو ان کے خاندان سے ایک عہد کے ساتھ خصوصی طور پر جوڑ لیا تھا۔

''جب ابرام ۹۹ (ننانوے) برس کا ہوا تو خدا تعالیٰ ابرام کو نظر آیا، اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں، تو میرے حضور چل اور کامل ہو، اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تیری نسل کو بڑھاؤں گا۔''[1]

توریت، یعنی عہد نامہ قدیم کی اسی عبارت میں اس عہد کو اور مزید ان الفاظ میں واضح کرتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

''میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی پشت در پشت کے لیے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے، کرتا ہوں کہ میں تیرے اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا۔''[2]

---

۱ 'دی ہولی بائبل' اردو ترجمہ کتاب پیدائش، باب ۲۲، صفحہ ۱۵

۲ ایضاً صفحہ ۱۸

Marfat.com

یہودیوں کے مطابق یہ خصوصیت ان کو دوسری تمام اقوام سے ممتاز کر دیتی ہے، اور یہی عہد بنی اسرائیل کو مصیبت کی تاریکیوں میں روشن چراغ کا کام کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا خدا کے اس عہد پر پختہ یقین ہی ان کو آج تک تمام تباہیوں، اور بربادیوں سے بچاتا آرہا ہے۔ ان کا اس بات پر آج بھی پختہ یقین ہے کہ حضرت ابراہیم سے کئے گئے عہد کے مطابق وہ خدا کی سب سے چہیتی اور مخصوص قوم ہیں۔

توریت کے مطابق، یہودی تاریخ کی ابتداء بھی خدا اور حضرت ابراہیمؑ کے اسی براہ راست تعلق سے ہوتی ہے جس کا اوپر مختصراً کچھ ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت ابراہیم کے بعد ان کی اولاد کی ایک شاخ، ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے متعلق ہے۔ اسی نسل میں ہمارے پیارے نبیؐ پیدا ہوئے۔ یہودی روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاق کی اولاد ہی اس عہد کی وارث بنی جو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا۔ حضرت یعقوبؑ، جو حضرت اسحاق کے بیٹے تھے، خدا نے ان کو اسرائیل کے لقب سے نوازا، اسی لیے آج تک ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ، جو یہودی روایت میں سب سے بڑے پیغمبر کی حیثیت رکھتے ہیں، سے پہلے تک بنی اسرائیل چند قبائل کی ایک ملی جلی آبادی کا نام تھا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کی ہی ذات تھی کہ جس نے ان کو ایک مکمل شریعت اور خدا سے ایک عہد کے ذریعہ ان کو آئندہ کے لیے مستقل ایک قوم بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی حضرت موسیٰؑ کو ہی اپنے مذہب کا بانی اور سب سے بڑا نبی مانتے ہیں۔

توریت کی آخری آیات میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

''اور آج تک بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا جس سے کہ خدا تعالیٰ منہ در منہ سامنے ہوتا تھا۔''[1]

---

[1] 'دی بائبل' باب ۳۴، صفحہ ۱۲-۱۰

Marfat.com

حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل نے دریائے اردن کے پار۔ کنعان میں داخل ہوکر اس کے وسطی پہاڑی علاقے پر قابض ہوکر اسے اپنا مرکز بنالیا۔ دھیرے دھیرے بنی اسرائیل اپنے اس علاقے کو وسعت دینے میں کامیابی حاصل کرتے گئے، مگر اسی علاقے کے وہ حصے جو مغرب کی پہاڑی سلسلے اور بحر روم کے ساحل کے درمیان زرخیز میدان کی حیثیت سے مشہور تھے، ان پر فلسطینیوں کا قبضہ تھا، جو ایک جنگجو قوم تھی۔ وہ بنی اسرائیل سے اکثر برسرِ پیکار رہتے تھے، یہاں تک کہ کنعان پر قابض ہوکر اسرائیلیوں کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔ اس شکست اور فلسطینیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ نے بنی اسرائیل کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ نسلی و مذہبی وحدت کی اس کمی کو دور کر کے جب تک ہم کوئی مرکزی سیاسی تنظیم قائم نہیں کریں گے، اس وقت تک ہم ان حملہ آوروں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اسی احساس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل نے ایک بادشاہ کا انتخاب کیا، قرآن میں جس کا ذکر طالوت کے نام سے کیا گیا ہے۔ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد بنی اسرائیل کی یہ نئی حکومت حضرت داؤد کے قبضہ میں آگئی جو طالوت کے داماد تھے۔ ان کی رہنمائی میں بنی اسرائیل نے کافی ترقی حاصل کی، نیز اپنے آس پاس کے علاقوں پر قابض ہوکر اپنے علاقے کو وسعت دے ڈالی۔ حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ ان کے حکمراں ہوگئے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل تجارتی، صنعتی اور تعمیراتی ترقی کے لحاظ سے انتہائی عروج حاصل کر چکے تھے۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر بنی اسرائیل، دو الگ الگ حکومتوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے ایک اسرائیل اور دوسری یہودہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد سیریا اور بابل کے بادشاہوں نے نہ صرف اسرائیلی اور یہودہ، دونوں ریاستوں کو تباہ و برباد کر ڈالا، بلکہ یروشلم کو بھی پوری طرح اُجاڑ دیا، اور یہودیوں کو قید کر کے بابل لے آئے۔ اس واقعہ کے بعد یہودیوں کے یہاں جو مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا وہ دور جدید تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا۔ اور یہ

Marfat.com

لوگ کسی نہ کسی قوم کے ماتحت زندگی گزارتے رہے، اور ایک آزاد خودمختار حکومت کا تصور ان کے لیے ایک خواب بن کر رہ گیا۔

۵۳۹ ق۔م میں جب ایرانیوں نے بابل فتح کرلیا تو ایک بار پھر یہودیوں کو آزادی حاصل ہوئی، اور وہ یروشلم جاسکے، مگر ایرانیوں کے دورِ اقتدار میں یہودیوں کی یہ تمام آسانیاں صرف اسی وقت تک قائم رہیں جب تک کہ سکندر نے ایران کو فتح نہیں کیا۔ سکندر کی فتح کے بعد یہودی قوم کا اطمینان کے ساتھ گزربسر کرنے کا دور ختم ہوکر یونانیوں کی ماتحتی کا دور شروع ہوا۔ یہودی قوم نے ایرانی حکومت کے دور میں مذہبی، سماجی اور تہذیبی، ہر طرح کے اثرات ایرانیوں سے قبول کئے، چاہے وہ اثرات ایران کے زرتشتیوں سے لیے ہوں یا ان کی سماجی زندگی سے لیے گئے ہوں، اس لیے کہ بابل کی اسیری سے پہلے ان کے یہاں ایسے بہت سے وہ اثرات نہیں تھے، جو اس کے بعد ان کے یہاں ملتے ہیں۔ سکندر کے بعد اس کی حکومت اس کے سرداروں کے درمیان تقسیم ہوکر مختلف حکومتوں کی شکل میں بٹ گئی، آپسی رقابتوں اور رنجشوں نے ان کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہر حکومت فلسطین پر اپنا قبضہ کرتی اور اس کو نقصان پہنچاتی رہی، یہاں تک کہ ایک وقت وہ آگیا جب فلسطین اور وہاں کی یہودی آبادی رومیوں کے زیرنگیں آگئی، مندرجہ بالا تمام حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی قوم مغربی ایشیا کے مختلف حصوں میں سکونت پذیر ہونے لگی۔

فلسطین پر رومیوں کے قبضہ کے بعد اس کا سیاسی نظام رومیوں کے پاس رہا، مگر وہاں کی یہودی آبادی کا خیال کرتے ہوئے ایک یہودی سربراہ یہودیوں کے مذہبی اور اندرونی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسی پس منظر میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی اور ان کی مختصر تبلیغی زندگی کے بعد رومی نگراں اور یہودی سربراہ کے عہد ہی میں حضرت عیسیٰؑ کو ملزم قرار دے کر مصلوب کردیا گیا۔

رومی سلطنت اپنے وقت کی ایک طاقت ور حکومت تھی۔ اپنی سیاسی طاقت

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تہذیبی اور تمدنی روایات میں کسی دوسرے کو اپنا مدّ مقابل نہیں گردانتی تھی۔ فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد مظالم روا رکھنے کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین بھی وہاں نافذ کردیئے جو خاص طور پر یہودیوں کی شریعت اور معاشرت سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس صورتِ حال نے یہودیوں میں ایک طرح کی بے چینی اور بے قراری پیدا کردی تھی۔ رومی شہنشاہ کی پرستش کا نیا مسلک یہودیوں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ اور ناقابلِ عمل تھا، کیونکہ یہ براہ راست ان کے مذہبی عقیدہ سے ٹکراتا تھا۔

ان ہی تمام حالات سے نجات پانے کی غرض سے یہودیوں نے ۶۶ء میں اپنی آزادی کی پہلی تحریک کا آغاز کیا، جو کچھ مدت جاری رہنے کے بعد رومی حکمرانوں کے ذریعہ کچل دی گئی، پھر بھی یہودی قوم نے اپنی آزادی کی تحریک کے سلسلہ کو کسی نہ کسی طرح جاری رکھتے ہوئے ایک آخری کوشش ۲۳۵۔۱۳۲ء کے درمیان کی، جس میں انہیں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی، مگر اس کے بعد رومی سلطنت نے ان کی اس تحریک کو اس طرح کچلا کہ ایک ایک یہودی کو تلاش کر کے قتل کر ڈالا گیا، اور یروشلم کو یہودیوں سے پاک کر کے ایک رومی طرز کا شہر بنادیا گیا، جگہ جگہ رومی دیوتاؤں کے عبادت خانے تعمیر کردیئے گئے۔ اس وقت یہودیوں کے لیے یروشلم کے قریب جانا بھی موت کو گلے لگانے کے برابر تھا۔ اس حادثہ کے بعد حالات نے یہودیوں کو ساری دنیا میں منتشر ہوکر مہاجرانہ زندگی گزارنے پر مجبور کردیا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود یہودی کسی وقت بھی اس تصور سے غافل نہیں رہے کہ ان کا اصل وطن فلسطین ہے، جو انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ یہی وہ تصور تھا جس نے یہودیوں میں یروشلم واپس جانے کے جذبے، اور وہاں اپنی مستقل و پائیدار ریاست کے قیام کی خواہش نے ایثار و قربانی کے جذبہ کو ختم نہ ہونے دیا، یہاں تک کہ انیسویں صدی میں ذرائع آمدورفت اور رسل و رسائل کی ترقی نے یہودیوں کو ایک بار پھر مجتمع ہونے کا موقع فراہم کردیا، یہاں تک کہ

Marfat.com

۱۹۱۷ء میں یہودیوں کے ایک وطن کے تصور کو تسلیم کرتے ہوئے برطانیہ نے اس کے قیام کا پورا پورا یقین دلا کر یہودیوں کو مطمئن کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اقوام متحدہ کے فیصلہ کے مطابق فلسطین کی تقسیم اور ایک یہودی خود مختار ریاست کے قیام کے تصور کو لے کر یورپ سے یہودی مہاجرین کا ایک سیلاب فلسطین کی طرف امنڈ پڑا۔ فلسطین میں ان نو آباد یہودیوں نے اپنے آپ کو ہر سطح پر منظم کر کے ایک خود اعتماد اور خود مختار سماج کا نمونہ پیش کیا۔ آخر کار تقریباً دو ہزار سال بعد یہودی فلسطین میں اپنی ایک خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خاندان کو اس بدویت کے ماحول میں جس چیز نے ایک ممتاز مقام عطا کیا وہ ان کا مخصوص مذہبی شعور تھا۔ حضرت ابراہیم کے بعد ان کی اولاد کی ایک شاخ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل سے قائم ہوئی، پیغمبر اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی شاخ سے تھا، لیکن یہودی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ سے خدا کے عہد کے وارث اور خاندان کے مذہبی سربراہ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ قرار پائے۔ حضرت اسحاق کے بعد ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ ان کے جانشین ہوئے، جن کو خدا نے اسرائیل کے لقب سے نوازا۔ آج تک ان کی اولاد اسی لیے بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے حضرت یوسفؑ جب مصر میں ایک با حیثیت شخص کی صورت اختیار کر گئے تو حضرت یعقوبؑ اپنی تمام اولاد کے ساتھ مصر میں آ کر آباد ہو گئے۔ تاریخ داں بنی اسرائیل کے متذکرہ بالا بزرگوں کے وجود کو تو حقیقی مانتے ہیں، مگر اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت یوسفؑ کے دور میں تمام بنی اسرائیل مصر آ گئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک حصہ بدستور فلسطین ہی میں قیام پذیر رہا، اور اس نے مسلکِ ابراہیمی اور ان قربان گاہوں کے مذہبی شعائر کو قائم رکھا جو ان کے اجداد نے خدائے حق کی نذر کے لیے قائم کی تھیں[1]

---

[1] آزاد فاروقی 'دنیا کے بڑے مذاہب' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۳۸

Marfat.com

۱۳۰۲—۱۲۹۰ ق۔م کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کا ظہور ہوا۔ ان سے پہلے بنی اسرائیل مختلف قبائل پر مشتمل ایک آبادی کا نام تھا۔ یہ حضرت موسیٰؑ کی ہی ذات تھی جس نے بنی اسرائیل کو ایک مفصل شریعت اور خدا سے من حیث القوم ایک عہد میں باندھ کر ان میں وہ اتحاد اور یکجہتی پیدا کر دی جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک مستقل قوم بن گئے۔ حضرت موسیٰؑ ہی کے ذریعہ بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی سے نجات حاصل ہوئی۔ یہودی روایت کے مطابق تمام نبیوں میں وہی ایسے تھے کہ جن سے اللہ تعالیٰ بالمشافہ گفتگو کرتا تھا۔ ان کو جھاڑی کی آگ میں اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ یہودی حضرت موسیٰؑ کو اپنے مذہب کا بانی اور نبیوں میں سب سے بڑا مانتے ہیں۔

یہودی کسی ایک کتاب کو مقدس نہیں تسلیم کرتے، بلکہ مستند صحیفوں کے ایک مجموعے کو مقدس تسلیم کرتے ہیں، جسے ''کتابیں'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں شامل صحیفے مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں کے ذریعہ مرتب کئے گئے ہیں۔ بائبل کا پہلا تین چوتھائی حصہ انہیں ''کتب'' پر مشتمل ہے، جو عہد نامۂ قدیم کہلاتا ہے۔ ان ''کتب'' کی حقانیت کو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس عہد نامۂ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں توریت کہلاتی ہیں، اور حضرت موسیٰؑ کی مرتب کردہ سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں میں وہ حصہ بھی شامل ہے جسے ''احکام عشرہ'' کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جو حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر دیا گیا تھا۔

توریت کو عہد نامۂ قدیم میں سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی لائی ہوئی شریعت انہیں میں درج ہے۔

یہودی مذہب کی بنیاد دو عقیدوں پر ہے۔ اولاً خدا کی وحدانیت، دوم بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کا مخصوص تعلق۔ وہ اپنے آپ کو خدا کی اولاد سمجھتے

Marfat.com

ہیں۔ یہودی عقیدہ کی رو سے عالم کائنات، خیر ہے اور انسان حصول خیر کی پوری پوری اہلیت رکھتا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار ہے۔ وہ ایمان کی بہ نسبت اعمال کو زیادہ اہم قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہودیت، صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسانوں کے ہر عمل کو رضائے الٰہی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ حق اور باطل، خیر اور شر کے معیار کو یہودی صرف عبادت تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ زندگی کے ہر گوشہ اور اعمال کی ہر شاخ میں ان تصورات سے مطابقت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کا مذہب ایک مکمل و مفصل ضابطۂ حیات ہے۔ مثلاً ایک معمولی سا مبالغہ یا ادنیٰ سی دل آزاری بھی یہودیوں کے نزدیک ایک عظیم ترین گناہ ہے۔ ان کے لیے مذہباً ممنوع ہے کہ وہ فحش کلامی کریں، یا کسی کو اشتعال دلائیں، یا کسی کمزور اور لاچار آدمی کے سامنے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کریں۔ ہر یہودی پر فرض ہے کہ وہ دن میں تین بار نماز ادا کرے، کھانے سے پہلے دعاء شکرانہ پڑھے۔ زندگی کی ہر لذت و مسرت پر شکر کا اظہار کرے۔ ہر روز کتاب مقدس کی کچھ آیات تلاوت کرے۔ صبح کی نماز کے وقت یہ لوگ ایک خاص لباس پہنتے تھے۔

یہودی رسوم و شعائر اور قوانین کی ضابطہ بندی کا کام قدیم یروشلم اور بابل میں انجام دیا گیا تھا۔ روایات کا درجہ ان کے یہاں کتب مقدسہ سے کم نہ تھا۔ جب حفظ کردہ روایات کا ذخیرہ بہت زیادہ ہوگیا تو ان کی ترتیب و تبویب اور کتابت ضروری ہوگئی۔ اس ضمن میں جو مبحث پیش آئے، انہیں بھی لکھ لیا گیا۔ یہ سارا مجموعہ ''تالمود'' کہلاتا ہے۔ ''تالمود'' کی ترتیب کا کام دو مختلف مذہبی درسگاہوں میں ہوا تھا۔ چونکہ ان دونوں کا طریق استدلال اور طریق تاویل جدا جدا تھا، اس لیے ''تالمود'' کے دو مجموعے تیار ہوگئے۔ ایک فلسطین کی ''تالمود'' اور دوسری بابل کی ''تالمود''۔ یہودیوں نے دونوں کو برابر کا درجہ دیا لیکن اختلاف رائے کی صورت

Marfat.com

میں بابل کی ''تالمود'' کا درجہ بلند تر ہے۔

یہودیوں کے مذہبی احکام میں سے شریعت اور قانون کے مطالعہ اور اس پر غور و فکر کا حکم سب سے زیادہ اہم ہے۔ عبرانی زبان کا بیشتر لٹریچر قانون اور شریعت کی توضیح و تفصیل سے متعلق ہے۔ ہر یہودی پر مذہباً فرض ہے کہ اپنی اولاد کو قانون کے مبادی سے روشناس کرائے۔ یہودی مذہب، رسوم و شعائر کی پابندی کو دین کا مدار قرار دیتا ہے۔ ان کے مذہبی احکام میں سے شریعت اور قانون کے مطالعہ اور اس پر غور و فکر کا حکم سب سے زیادہ اہم ہے۔

○○○

Marfat.com

عیسائیت

عیسائی مذہب کی بنیاد ان عقائد پر ہے جنہیں حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور شاگردوں نے حضرت عیسیٰ کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اپنانا شروع کر دیا تھا۔ عیسائی مذہب کی مقدس کتابیں جو جدید عہد نامہ کے مجموعہ میں شامل ہیں، عیسائیت اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اس مجموعہ میں چار اناجیل شامل ہیں، یعنی انجیل بہ روایت متّی انجیل، بہ روایت مرقس، انجیل بہ روایت لوقا اور انجیل بہ روایت یوحنا۔ یہ اناجیل حضرت عیسیٰ کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے تقریباً ۳۷ سال بعد سے لے کر اَسّی سال بعد تک لکھی گئیں۔ ان کے مرتبین میں لوقا اور مرقس حضرت عیسیٰ کے براہ راست حواریوں میں سے نہیں تھے، بلکہ یہ حواریوں کے ساتھی تھے۔

لوقا کی انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جب قیصر روم اغستس نے فلسطین میں مردم شماری کا حکم دیا تھا۔ جب حضرت مریم کے یہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو اس واقعے کو انجیلوں میں صرف لوقا نے ہی بیان کیا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مریم نے اس پیدائش کے بعد اپنے منگیتر یوسف سے شادی کر لی، اور حضرت عیسیٰ کی پرورش کی ذمہ داری سنبھالی۔ یہ دونوں حضرات حضرت داؤدؑ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے، اور دونوں ہی اتنے غریب تھے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے سلسلہ مین مقدس ہیکل میں قربانی کے لیے جانور

Marfat.com

کی جگہ دو کبوتر پیش کیے، کیونکہ اس سے زیادہ کی ان کے یہاں گنجائش نہ تھی۔
حضرت عیسیٰؑ چونکہ ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے وہ یہودی روایات سے اتنے زیادہ واقف تھے کہ ان کے شاگرد انہیں لفظ ربی کے نام سے پکارتے تھے، جو کہ یہودی عالموں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت اتنی غیر معمولی اور پُراثر تھی کہ دنیا سے ان کے اُٹھ جانے کے بعد ان کے شاگردوں (حواریوں) اور عام عیسائی مذہب سے متعلق لوگوں نے انہیں نہ صرف مسیح بلکہ خداوند اور الوہیت کے مرتبہ کا حامل قرار دیا، اس لیے کہ یہودیوں کے یہاں ایک ''مسیح'' کا انتظار انتہائی شدت سے کیا جارہا تھا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے ایک رشتہ دار حضرت یحییٰ جو حضرت زکریاؑ کے بیٹے تھے، بہت سے لوگوں نے ان کے بعض رویّوں کی وجہ سے ان پر ''مسیح'' ہونے کا شک کیا، مگر حضرت یحییٰ نے خود اس کی تردید کی اور اپنے پیچھے مسیح کے آنے کی خبر دیتے ہوئے خود کو اس کا خادم ظاہر کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی اس غیر معمولی شخصیت کا اظہار عمر کے آخری تین برسوں میں ان کی نبوت کے دور میں ہوا۔

نبوت مل جانے کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے باقاعدہ اپنی تبلیغ کا سلسلہ شروع کردیا، اور پھر دھیرے دھیرے ان کے حواریوں کی تعداد بڑھنے لگی، اور ساتھ ہی عوام الناس میں بھی رجوع الی اللہ کی دعوت کا کام شروع کردیا گیا۔ اناجیل کے مطابق ان کی تعلیمات سے زیادہ لوگوں پر ان کے وہ معجزات اور اشارات اثر انداز ہوئے جو وہ اپنے مواعظ کے ساتھ دکھاتے رہتے تھے، اور جو بطور ''مسیح اور ابن اللہ'' ان کی حیثیت کو زیادہ اجاگر کرتے تھے۔ چونکہ وہ اپنے بیانات وغیرہ میں کبھی کبھی یہودی شریعت کو بھی نظرانداز کردیا کرتے تھے، اس لیے یہودی علماء اس رجحان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، نیز حضرت عیسیٰؑ کا عوام سے بڑھتا ہوا رابطہ بھی یہودیوں کے اعلیٰ طبقہ میں حضرت عیسیٰؑ کے خلاف ناراضگی کو بڑھاوا دے رہا تھا۔
حضرت عیسیٰؑ اپنی دعوت وتبلیغ کے ذریعہ جس کامیابی کی طرف عوام الناس کی رہنمائی

Marfat.com

کرنا چاہ رہے تھے، وہ قطعی روحانی اور غیر ارضی تھی، جب کہ یہودی اس دنیا میں مادّی کامرانی کے خواب دیکھ رہے تھے، شاید اسی لیے وہ ان کے مسیح ہونے کو بھی اپنے تصور مسیحیت کا مذاق سمجھتے تھے۔ اُدھر حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے آخری دنوں میں پہلے سے کہیں زیادہ زور سے اپنی تعلیمات کو پیش کرنا اور یہودی رہنماؤں پر تنقیدیں کرنا شروع کردی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ سے اس قدر برہم ہوئے کہ ان کو صلیب پر چڑھانے سے کم پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ وہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ وقت عوام کی دست رس سے محفوظ رہتے ہوئے کسی وقت حضرت عیسیٰؑ کو ختم کردیں۔ آخر کار وہ وقت آگیا، اور اناجیل کے مطابق رومن حکمران کے اشارے پر یہودی علماء، عوام اور سرکاری اہلکاروں کے ذریعہ انہیں صلیب پر چڑھادیا گیا۔

عیسائیت کی بنیادی تعلیمات

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے اکلوتے بیٹے تھے اور الوہیت میں شریک تھے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث پرستی پر مبنی ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس، یہ تینوں مل کر ایک ہیں (تھِری اِن وَن۔ اینڈ وَن اِن تھری) اگرچہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول موجود ہے کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم فرماتے تھے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا گیا۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت تک پیدا ہونے والے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مصلوب ہوئے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا ہر ایک کا باپ ہے اور ہر شخص بلاواسطہ اس سے خطاب کرسکتا ہے اور اس سے محبت کرسکتا ہے۔ اس کے لیے نہ کسی جگہ کی قید ہے اور نہ وقت کی (میتھو۔۶:۱) نماز، خیرات اور روزہ وغیرہ

Marfat.com

چیزیں پبلک میں شہرت حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اپنے باپ سے ذاتی تعلق کو ترقی دینے کے لیے ہیں۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سامعین کو یقین دلایا کہ خدا بحیثیت باپ، ہر شخص کی خبر گیری کرتا ہے۔ کوئی شخص اپنے اس باپ کی عنایت حاصل کرنے کے لیے نااہل نہیں ہے۔ کوئی شخص بھی آسمانی مملکت سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا۔ (میتھو ۷:۷۔۸)

(۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات دو نظریوں کے گرد گھومتی ہیں ایک تو خدا کا باپ ہونا اور دوسرے تمام انسانوں کی اُخوت۔ ٹھیک جیسے باپ اپنی تمام اولاد سے محبت کرتا ہے، اسی طرح ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے محبت کرنی چاہیے، چاہے وہ اچھے ہوں یا برے۔ (لیوک ۶:۳۲۔۳۶) انہوں نے فرمایا کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو (میتھو ۵:۴۳۔۴۸)

(۷) قاتل، سماج کے ٹھکرائے ہوئے اور دشمن تک سے ایسی محبت کرنا جیسی اچھے آدمیوں سے اور محبت کے لائق لوگوں سے محبت کی جاتی ہے، خدا سے محبت کرنے کے ہم معنی ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا، اجنبیوں کا استقبال کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، قیدیوں سے ملاقات کرنا، خدا سے محبت کرنے اور اس کی خدمت کرنے کے ہم معنی ہے۔ (میتھو ۲۵:۲۴۔۴۶)

(۷) انسان کی زندگی کا مقصد خدائی اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہے یعنی محبت کرنا، رحم کرنا اور سب سے پیار کرنا۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں خدا سے محبت کرتا ہوں اور اپنے بھائی سے نفرت کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے بھائی سے محبت نہیں کرتا جسے اس نے دیکھا وہ خدا سے محبت نہیں کر سکتا جسے اس نے نہیں دیکھا۔ (جان ۴:۷۔۲۰)

عیسائی مذہب نے بہت سے عقائد و اعمال، یہودی مذہب، رومیوں اور بعض دوسرے مذاہب کے اپنے یہاں شامل کر لیے۔ "ہفتہ وار اجتماع 'سبت' کی

Marfat.com

عبادت کو یہودیوں سے لیا۔ یونانی ثقافت سے عیسائی علماء نے منطقی دلائل اور فلسفیانہ موشگافیاں لیں اور رومی ثقافت سے قانون اور نظم کے لیے ایک مرکزی جماعت کا تصور لیا اور اسی نہج پر ایک مذہبی جماعت یعنی چرچ کی بنیاد ڈالی۔

عیسائی چرچ کا ارتقاء

عیسائیوں میں مستعمل لفظ چرچ یونانی اکلیسیا (کلسیا) کا مترادف ہے، چرچ یا کلیسا کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً اس کے ایک معنی تو اس عمارت کے ہیں جہاں عیسائی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں، دوسرے عیسائی امت کے لیے بھی کبھی کبھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ لفظ عیسائی مذہبی رہنماؤں کی جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی وہ مذہبی جماعت جو عیسائیوں کے مذہبی امور میں ان کی سربراہی کے لیے ذمہ دار ہوتی ہے۔ عیسائیت کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً عیسائیت جو ایک یہودی فرقے کی طرح ہی ابھری تھی، وہ بعد کی صدیوں میں ایک عالمی مذہب کی شکل اختیار کر گئی، اور آج دنیا میں سب سے زیادہ اسی مذہب کے ماننے والے ہمیں ملتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اس دنیا سے جانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں عیسائیت فلسطین کے علاوہ رومی سلطنت کے مختلف شہروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ ساری جماعتیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں مقامی حواریوں کی پابند ضرور تھیں، مگر ساتھ ہی وہ دوسرے شہروں کے اپنے عیسائی بھائیوں کے ساتھ اپنے دینی رشتہ کا پورا احساس بھی رکھتی تھیں۔

تاریخی اعتبار سے روم میں عیسائیت کی ابتداء کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مگر حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عیسائیت کی شروعات ان یہودی عیسائیوں سے ہوئی جو فلسطین اور روم کے درمیان آتے جاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ روم میں باقاعدہ عیسائی جماعت وجود میں آ گئی۔ جیسا کہ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں، اگرچہ

Marfat.com

اس وقت تک روم میں کسی حواری کے آنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مگر چند ہی برسوں میں بہت سے مذہبی رہنما روم پہنچ چکے تھے، بلکہ حواریوں کے رہنما پطرس (پیٹر) بھی روم پہنچ گئے۔

جس طرح سے ہم نے دیکھا کہ عیسائیوں کی جماعتیں مختلف علاقوں اور شہروں میں رہنے کے باوجود دینی اخوت کی بنیاد پر اپنے آپ کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتی تھیں، اسی طرح عیسائی مذہبی رہنماؤں نے بھی ہمیشہ اپنے آپ کو تمام عیسائی جماعتوں کا نگران اعلیٰ تصور کیا، جس کا اظہار یہ لوگ ابتداء سے ہی کسی نہ کسی شکل میں کرتے آرہے تھے۔ تقریباً دوسری صدی عیسوی میں یہ تصور بھی قائم ہوگیا تھا کہ ہر علاقے کی عیسائی جمعیت اس علاقے کے مرکزی چرچ سے متعلق ہوگی، جس کا سربراہ ''بشپ'' کہلاتا تھا، اور جو اپنے علاقے کی ساری جماعتوں کا ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔ اس نظام کے قیام کے بعد سے جب بھی عیسائی قوم کے لیے کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو مختلف علاقوں کے ''بشپ'' کی جماعت کو ہی یہ اختیار تھا کہ وہ مختار اعلیٰ کی حیثیت سے فیصلے کرے۔ مذہبی رہنماؤں یعنی ''بشپ'' (بطریقوں) کی یہی انجمن رومی چرچ کے سربراہ کو بھی منتخب کیا کرتی تھی، جو عیسائیوں کا سربراہ اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے، اور وہ ''پوپ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مقامی بشپ اپنے علاقے کی جماعتوں کا نگراں اور ذمہ دار ہوتا تھا۔ مقامی پادریوں کی جماعت اس کی مددگار رہتی تھی، اور اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

اپنی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں ہی عیسائیت پھیل کر دنیا کے نئے نئے علاقوں تک پہنچ چکی تھی، اور مغربی ایشیا، جنوبی یورپ اور شمالی افریقہ میں باقاعدہ ایک قابل لحاظ مذہبی تحریک بن چکی تھی۔ رومی سلطنت کے مغرب و مشرق میں تقسیم ہوجانے کے بعد مغربی سلطنت کے شہنشاہ قسطنطین نے اپنی تخت نشینی کے وقت خود کو نہ صرف عیسائی مسلک کا پیرو قرار دیا بلکہ عیسائیت اور عیسائیوں کا طرف دار بھی ظاہر کیا۔ اس کے بعد آنے والے شہنشاہوں نے عیسائیت کو باقاعدہ رومی حکومت کا

Marfat.com

واحد مذہب قرار دے کر باقی دوسرے تمام مذاہب کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ اس تاریخی فیصلہ نے عیسائیت اور عیسائی چرچ کو زبردست طاقت عطا کی۔ اس وقت سے عیسائیت کا مرکزِ ثقل، رومی سلطنت کی راجدھانی روم بن گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی عبادت گاہوں سے اپنی تبلیغ شروع کی۔ پہلے تو یہودیوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ انبیائے بنی اسرائیل کے سلسلہ سے وابستہ اور انہیں کی روایات پر عمل پیرا تھے، لیکن جب انہوں نے ہر قوم اور ہر طبقہ کے افراد سے بے تکلفی کے ساتھ ملنا شروع کیا تو یہودیوں کو ناگوار گزرا خصوصاً فرانسیسیوں کو کیونکہ وہ لوگ تمام بے دین لوگوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور اپنی جسمانی پاکیزگی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اصرار تھا کہ بے دین اور گنہگاروں کو بھی آسمانی بادشاہت میں حصہ دار بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والے یہودیوں کی عبادت گاہوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے مگر ایک دن جب پطرس نے یہودیوں کے معبد یروشلم میں ایک جذامی کا مرض دور کر دیا تو وہاں کے پجاریوں نے پطرس سے سوال کیا کہ تم نے کس کے نام سے مریض کو اچھا کیا۔ پطرس نے کہا کہ میں نے عیسیٰ مسیح کے توسط سے اس مرض کو دور کیا اس پر معبد کے پجاریوں کو معلوم ہوا کہ گلیلی کے جس باشندے کو صلیب پر سولی دی گئی تھی، یہ لوگ اس کے ماننے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو منع کیا کہ وہ معبد کی حدود میں اپنی مذہبی تبلیغ کا سلسلہ بند کر دیں۔ اس کے بعد حواریوں سے کچھ اور واقعات صادر ہوئے جس کی وجہ سے یہودی بڑی تعداد میں عیسائی مذہب اختیار کرتے گئے۔ جب ان کی تعداد بڑھی تو ان کی تنظیم کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ چنانچہ بہت جلد لیڈروں اور رہنماؤں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا۔ یہ لوگ رسول کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔ یہ ایک طرح کی کمیٹی تھی جو اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کرتی تھی۔

Marfat.com

بہت جلد اس نئے گروہ میں یونانی یہودیوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہوگئی جن کی زبان یونانی تھی، اوران کی تہذیب بھی یونانی تھی، ان میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو فلسطین کے باشندے نہ تھے بلکہ ان علاقوں کے باشندے تھے جہاں یونانی تہذیب اور زبان کا تسلط تھا۔ ان یونانی عیسائیوں نے اپنی جماعت الگ بنالی۔ یہ لوگ اپنے اجتماعات علاحدہ کرتے تھے اور اپنی جماعتی تنظیم کے لیے سات اسقف مقرر کیے۔ ابھی تک مسیح کے ظہور ثانی کا عقیدہ فلسطین کی حدود سے باہر نہیں پہنچا تھا، لیکن جب یونانی یہودیوں نے عیسائیت قبول کی تو انہوں نے فلسطین کے باہر بھی اپنی تبلیغ شروع کردی اور ایک علاحدہ مذہب کی حیثیت سے عیسائیت کی بنیاد ڈالی۔ یونانی یہودیوں نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو انہوں نے بڑے پیمانے پر عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی۔ خود فلسطین اور یروشلم میں بھی علی الاعلان عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے۔ ان کے سات اسقفوں میں سے سب سے زیادہ سرگرم اور پُرجوش اسٹیفن تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے یروشلم کی یونانی عبادت گاہوں میں عقیدۂ مسیح اور ان کے ظہور ثانی کا عقیدہ پیش کیا۔ یروشلم کے ارباب اقتدار نے ان جدید مبلغین کے خلاف سرکاری کارروائی کی کیونکہ اسٹیفن نے صاف صاف بتایا تھا کہ مسیح کی آمد اور آسمانی بادشاہت کے قیام کے بعد یہودیوں کے مذہبی رسوم وشعائر اور ان کے دینی قوانین کی حیثیت میں تبدیلی آجائے گی۔ یہودی عدالت عالیہ کے سامنے اسٹیفن کا مقدمہ پیش ہوا۔ چنانچہ اسٹیفن کو موت کی سزا دیدی گئی۔ اس کے بعد یونانی یہودی عیسائیوں کے لیے یروشلم میں جماعتی حیثیت سے اپنا، یا اپنے عقائد کی تبلیغ کرنا ناممکن ہوگیا اور یروشلم سے اسٹیفن کی جماعت کو نکال دیا گیا۔ اس جماعت نے رومی سلطنت کے گوشہ گوشہ میں عیسائیت کا پیغام پہنچایا۔ ان لوگوں نے یونانی نقطۂ نظر سے اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ ان کی مذہبی تبلیغ کا سب سے پہلا مرکز انطاکیہ تھا۔ یہاں بہت سے غیر یہودیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا اور عیسائیت کی اصطلاح انطاکیہ کی

Marfat.com

اسی جماعت سے شروع ہوئی۔

سینٹ پال عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد اسی جماعت میں مل گیا۔ سینٹ پال اور برناباس نے یہودی عبادت گاہوں سے اپنی تبلیغ شروع کردی۔ یونانی اور رومی مشرکین میں ان کی تبلیغ بہت مقبول ہوئی۔ رومی دنیا میں عیسائیت کی تبلیغ جتنی مقبول ہوتی گئی، اسی نسبت سے یہودیوں کو اس خطرہ کا احساس بڑھتا گیا کہ عیسائیت اب ایک مستقل دین کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے اور جب حضرت عیسیٰ کے یہودی پیروکاروں نے یروشلم میں اپنی علاحدہ جماعت قائم کرلی اور جب اسٹیفن نے اس جماعت کی سربراہی کی تو یہودیوں نے اسٹیفن کو قتل کرادیا۔ اور یونانی عیسائیوں کی جماعت کو یروشلم سے نکال دیا۔ لیکن یونانی عیسائیوں نے یروشلم سے نکل کر رومی سلطنت کے مختلف علاقوں میں اپنی تبلیغ کا جال بچھادیا اور یہودی صوامع میں اپنی تبلیغ شروع کردی۔ پھر یہودی صوامع سے عیسائیوں کا اخراج ہونے لگا۔ سب سے پہلے انطاکیہ کے صوامع سے عیسائیوں کا اخراج ہوا اور رفتہ رفتہ دوسرے علاقوں سے بھی اخراج ہونے لگا۔ مگر روم کی سلطنت میں عیسائیت کو اتنا فروغ ہوا کہ ۴۴ء میں رومی شہنشاہ کانس ٹن ٹائن نے عیسائی مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے دیا، لیکن ۶۴ء میں رومی شہنشاہ نیرو نے عیسائی مذہب کی سخت مخالفت کی اور بعد کے رومی شہنشاہوں نے عیسائیوں کو بہت تکالیف پہنچائیں اور ان کے چرچ کو جلادیئے۔ لیکن ۲۷۴ء تا ۳۰۳ء میں حالات بالکل تبدیل ہوگئے اور رومی شہنشاہ کانس ٹن ٹائن نے عیسائی چرچوں کی تعمیر کرادی اور عیسائیوں کو تبلیغ کی آزادی دیدی۔ لیکن کانس ٹن ٹائن کے جانشین ڈایوکلے شین نے رومی سلطنت کو مشرقی اور مغربی صوبوں میں تقسیم کردیا۔ روم جو مغربی صوبہ میں تھا، وہ پوری سلطنت کا دارالسلطنت قرار پایا اور یہی عیسائیت کا اہم مرکز بن گیا اور اس صوبہ کی زبان لاطینی قرار پائی اور مشرقی صوبہ میں کئی عیسائی مراکز وجود میں آئے اور وہاں کی زبان یونانی قرار پائی۔ مشرقی صوبہ کا دارالسلطنت قسطنطنیہ قرار

Marfat.com

پایا۔ روم اور قسطنطنیہ کی عیسائی جماعتوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۰۵۴ء میں دونوں نے باہمی تعلقات ختم کر لیے۔ لاطینی زبان بولنے والوں نے اپنے آپ کو رومن کیتھولک چرچ کا پیرو قرار دیا اور یونانی زبان بولنے والوں نے اپنے آپ کو مشرقی آرتھوڈاکس چرچ کا پیرو قرار دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں بھی اختلافات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۵۱۷ء میں جرمنی کے ایک عیسائی پادری لوتھر نے پروٹس ٹینٹ فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ رومن کیتھولک اور پروٹس ٹینٹ فرقوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ رومن کیتھولک فرقہ چرچ آف روم کے ماتحت رہا اور پروٹس ٹینٹ فرقہ چرچ آف انگلینڈ کے ماتحت رہا اور آج تک ہے۔ پھر آگے چل کر ان دونوں میں بھی تقسیم ہوئی اور دونوں کے اندر کئی فرقے ہو گئے۔

کلیسا کی کئی کونسلیں منعقد ہوئیں جن میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی الوہیت کے بارے میں بحثیں ہوئیں۔ ان کونسلوں سے مراد 'عقائد واعمال سے متعلق مسیحی علماء کا مشاورتی اجتماع' تھا۔ یہ کونسلیں دو طرح کی ہوتی تھیں۔ ایک عام کونسل جس میں تمام کلیساؤں اور مذہبی جماعتوں کی نمائندگی ہوتی تھی، اور دوسری خاص کونسلیں جو کسی ایک فرقہ سے متعلق ہوتی تھیں۔

پہلی کونسل نیقیہ کی کونسل تھی جس سے عقیدۂ تثلیث کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کونسل میں یہ بحث شروع ہوئی کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف خدا کے رسول ہیں یا وہ ابن اللہ بھی ہیں۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کی پہلی کونسل ہوئی جس میں مسیح کی الوہیت اور ابنیت (یعنی بیٹا ہونے) کا اعلان کیا گیا۔ اب ایک مسئلہ رہ گیا کہ روح القدس اور خدا میں کیا تعلق ہے۔ اس کونسل میں روح القدس کی الوہیت کا اثبات کیا گیا۔ اس کے بعد افسس کی پہلی کونسل ہوئی جس میں تثلیث کے عقیدہ کو اس طرح رائج کیا گیا کہ خدا باپ، خدا روح القدس، اور خدا بیٹا۔ لیکن اس کی وضاحت نہ ہو سکی کہ اقانیم ثلاثہ میں وحدت کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی طے ہوا

Marfat.com

کہ مسیح کی دو فطرتیں ہیں، لاہوتی اور ناسوتی۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کی دوسری کونسل ہوئی۔ پھر تیسری کونسل ہوئی جس میں طے کیا گیا کہ مسیح کی دو طبیعتیں اور دو مشیتیں ہیں۔ پھر نیقیہ کی دوسری کونسل ہوئی جس میں مسیح اور دوسرے مقدسین کی تصویروں کی تقدیس و تعظیم اور ان تصویروں کا کلیسا، مقدس عمارات، گھروں اور راستوں پر رکھنے کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔

اس کے بعد قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل ہوئی جس میں طے کیا گیا کہ روح القدس، باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے اور کلیسائے روم مسیحیت سے متعلق ہر چیز کے بارے میں ذمہ دار اور مستند ہے، اور اس کے بعد پانچویں کونسل ہوئی جس میں طے پایا کہ قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل کی تمام قراردادیں باطل ہیں اور روح القدس کا ظہور صرف باپ سے ہوا ہے۔

کلیساؤں کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے:

(۱) کلیسائے مصری جو اسکندریہ میں واقع تھا جس کا دارالسلطنت قاہرہ تھا۔

(۲) مشرقی یونانی آرتھوڈاکس کلیسا جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔

(۳) پطرسی مغربی کلیسا جس کا مرکزی شہر روما تھا۔

اس کے بعد روما کی کونسل ۱۱۲۳ء میں ہوئی جس میں طے پایا کہ اساقفہ کا تعین پوپ کا کام ہے نہ کہ حکام کا۔ پھر ۱۲۱۵ء میں روما کی ایک اور کونسل ہوئی جس میں طے پایا کہ کلیسائے روم کے ہاتھ میں نجات ہے۔ وہ جس کو چاہے دے سکتا ہے اور یہ بھی طے پایا کہ عشائے ربانی میں روٹی اور شراب مسیح کا گوشت اور خون ہوتا ہے۔

آٹھویں کونسل کے بعد کلیسا کی تقسیم ہوگئی۔ ایک تھا مغربی لاطینی کلیسا جس کا نام کلیسائے پطرس تھا اور اس کا سربراہ تھا روما کا پوپ، اور دوسرا مشرقی یونانی کلیسا جس کا سربراہ قسطنطنیہ کا بطریق تھا۔ پھر ان دونوں کلیساؤں میں لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے۔

Marfat.com

چونکہ مسیحی نوجوان یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ کلیسا کی تعلیم انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتی، اس لیے دین مسیحی کی اصلاح کے لیے کئی اصلاحی تحریکیں اُٹھتی رہیں۔ کلیسا نے اپنی تعلیمات کے نفاذ میں جبر اور زبردستی کا طریقہ اختیار کیا اور علمی وسائنسی مباحثوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ اور اس جرم کا پتہ چلانے کے لیے باقاعدہ تفتیش کا محکمہ قائم کیا گیا۔ کلیسا نے تمام مسیحی افراد پر ایک ٹیکس نافذ کر دیا اور اس کی وصولیابی میں بدسلوکی کو بھی جائز رکھا جاتا تھا۔ یورپ کی راجدھانی روما میں سولہ ہزار پیشہ ور عورتیں تھیں جنہیں مالی فائدہ کی وجہ سے کلیسا کی سرپرستی حاصل تھی کیونکہ ان سے ٹیکس وصول ہوتا تھا۔ کلیسا نے انجیل کی تفسیر اور فتوے دینے کا حق اپنے پاس رکھ کر دوسروں کو عقلی وفکری سرگرمیوں سے محروم کر دیا تھا۔

بارہویں کونسل جب ہوئی تو اس نے طے کیا کہ مسیحؑ نے کلیسائے روم کو دستاویز نجات اور پروانۂ مغفرت دینے کا مجاز قرار دیا ہے، چنانچہ یہ ٹکٹ بے تکلف بیچے جانے لگے۔ مگر صلیبی جنگوں کے بعد جب مسیحیوں کو اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا، اور پادری یوحنّا اور اس کے شاگرد جیروم نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ گناہوں کے دھونے میں کلیسا کو کوئی اختیار نہیں بلکہ خدا کی رحمت اور توبہ ہی گناہوں سے پاکی اور نفس کی پاکیزگی کا صحیح راستہ ہے اور کلیسا میں گناہوں کا اعتراف وغیرہ محض خرافات ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد لوتھر نے اپنی اصلاحی کوشش شروع کی۔ یورپ نے اس وقت کے بادشاہ کے توسط سے لوتھر کی شہریت کے حقوق چھین لیے۔ مگر سکونیہ کا حاکم لوتھر کا طرفدار تھا۔ اس کے باوجود بادشاہ نے اپنا حکم نافذ کرنا چاہا لیکن لوتھر کے ماننے والوں نے اسے اس سے باز رکھا اور احتجاج کیا، اسی لیے وہ پروٹسٹینٹ کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

لوتھر کے عقائد حسب ذیل تھے:

(۱) پوپ صرف ایک دینی شخصیت ہے۔ وہ حضرت مسیح کا خلیفہ نہیں ہے۔

(۲) کوئی دینی شخصیت اگر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو اُسے معزول کیا جاسکتا ہے۔

(۳) دینی اشخاص کی نیک چلنی کی خاطر لوتھر، ان لوگوں کی شادی پر زور دیتا ہے۔

(۴) رجال کلیسا کی طرف رجوع کیے بغیر ہر مسیحی کو انجیل سمجھنے کا حق ہے۔

(۵) عشائے ربانی مسیح کی خداکاری کا نشان ہے۔ لیکن اس کی روٹی اور شراب کو مسیح کا جسم اور خون قرار دینا مضحکہ خیز بات ہے۔

اصلاحی تحریک کے نتائج

(۱) ان اصلاحی تحریکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاپائے روم کی قیادت سے الگ کلیسے قائم ہوئے جنہیں پروٹسٹینٹ اصطلاح میں ''انجیلی کلیسا'' کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی تعلیمات انجیل مقدس سے حاصل کرتے ہیں۔

(۲) ایسے کلیسا کے سربراہ کے اقوال کو کتاب مقدس کا تقدس حاصل نہیں۔

(۳) کلیسا کی قیادت وعظ وارشاد اور ہدایت ونصیحت تک محدود ہے۔

(۴) مُردوں پر مقدسین کی نماز اور ان کے لیے شفاعت کی مخالفت ہوگئی کیونکہ غفور صرف خدا ہے۔

(۵) نماز میں سمجھ میں نہ آنے والی زبان کا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۶) رہبانیت جائز نہیں کیونکہ اس سے معصیت پیدا ہوسکتی ہے اور رہبانیت دین کو خراب کرسکتی ہے۔

Marfat.com

عیسائیت، زمانۂ حال میں حسب ذیل فرقوں میں تقسیم ہوگئی

(۱) ۱۹۲۵ء میں کناڈا میں یونائٹڈ چرچ آف کناڈا۔
(۲) ۱۹۳۸ء میں فرانس میں ریفارمڈ چرچ آف فرانس۔
(۳) ۱۹۴۱ء میں جاپان میں چرچ آف کرائسٹ۔ جاپان
(۴) ۱۹۴۶ء میں نیدرلینڈ میں ڈچ ریفارمڈ چرچ
(۵) ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں چرچ آف ساؤتھ انڈیا
(۶) ۱۹۴۸ء میں جرمنی میں ریوین جیلیکل چرچ
(۷) ۱۹۶۱ء میں امریکہ میں یونائٹڈ چرچ آف کرائسٹ

عیسائیت ہندوستان میں

جنوبی ہند کے عیسائیوں کے مطابق یہاں عیسائیت کی ابتداء کے سلسلے کا آغاز حضرت عیسیٰؑ کے ایک شاگرد سینٹ تھامس کی ان تبلیغی کوششوں کے ذریعہ ہوا جو انہوں نے پہلی صدی عیسوی میں یہاں آکر انجام دیں، اسی لئے جنوبی ہند کے عیسائی اپنی ابتداء کا سلسلہ سینٹ تھامس کی آمد سے ہی جوڑتے ہیں، سینٹ تھامس کی ان ہی کوششوں کے نتیجے میں جنوبی ہندوستان میں بہت سے چرچ قائم ہوئے۔ سولہویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے دوران آنے والی مسیحی تبلیغی جماعتوں کے ذریعہ عیسائیت کے فروغ میں مزید اضافہ ہوا۔ چنانچہ آج ہندوستان میں دو کروڑ ستر لاکھ عیسائی آباد ہیں، جو کناڈا کی کل آبادی کے برابر ہیں، اس تعداد کے باوجود بھی عیسائی اس ملک کی کل آبادی کا تین فیصد 3% سے بھی کم حصہ ہیں۔

۱۵۰۵ء میں واسکوڈی گاما کے ساتھ آنے والے کیتھولک مشینریز کا ایک اثر یہ پڑا کہ یہاں کے عیسائیوں کی عبادات اور رسومات میں بعض تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

اس کے دوسو سال بعد یہاں کے چرچ کے رہنماؤں کو نو وارد انگریز مشینریز کے ذریعہ اپنی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، چنانچہ اس کے بعد چرچ سے متعلق باقاعدہ ایک اصلاحی تحریک کا سلسلہ خود چرچ سے شروع ہوا، جس کے نتیجہ میں ان کے عقائد کے بنیادی تصورات میں تبدیلیاں ہونے لگیں۔

جنوبی ہند کے عیسائیوں میں روز اول سے ہی ایک مضبوط ملی احساس پایا جاتا ہے جو آج بھی ہے ان کی تاریخ تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) سال پرانی ہے، اور یہ لوگ چرچ سے تعلق کو اپنے لئے باعث فخر محسوس کرتے ہیں، یہ لوگ ملک کی مختلف سماجی، تبلیغی، فلاحی تحریکات میں ہمیشہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

یہاں کی غربت اور یہاں کا افلاس ہندوستان میں مسیحی تبلیغی جماعتوں کی آمد کی اصل وجہ تھے، جن لوگوں نے ان کی کوششوں سے عیسائی عقائد قبول کئے ان میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو اپنے ابتر معاشی حالات سے پریشان تھے، یا پھر وہ لوگ تھے جنہیں خود اپنے ہی سماج میں کوئی حیثیت یا مرتبہ حاصل نہیں تھا ان حالات سے صرف بڑے بوڑھے ہی نہیں بلکہ بچے بھی پریشان رہتے تھے، اسی لئے بہت سے وہ لاوارث اور بے سہارا بچے بھی جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا ان عیسائی جماعتوں کی دعوت قبول کر لینے پر مجبور تھے۔

۱۹۳۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ان سارے مذیب تبدیل کرنے والوں میں 80% ایسے لوگ تھے جنکی ضروریات مسیحی تبلیغی جماعتوں کے ذریعہ ہی پوری ہوتی تھیں، دھیرے دھیرے ان سارے لوگوں پر ان کے نئے مذہب کا رنگ اس طرح غالب آتا گیا کہ یہ لوگ اپنی پرانی تہذیبی اور تمدنی روایات سے نہ صرف دور ہوتے گئے بلکہ اپنے ہی علاقوں میں اجنبی بنتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان نئے عیسائیوں کے متعلق یہ تصور قائم ہونے لگا کہ ان کی وفاداریاں بیرونی ممالک اور وہاں کی تہذیبوں سے وابستہ ہوگئیں ہیں۔ ان تمام تبدیلیوں کو اس ایک واقعہ کی مدد سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

چرچ کے ایک افسر کے مطابق ایک قبائلی اس کے پاس آیا اور کہا کہ ''میں نے اپنے بال کٹوا لئے ہیں، اور پتلون پہننے لگا ہوں عیسائی بننے کے لئے مجھے اور کیا کرنا ہوگا۔''

ہندوستان کو کہ جہاں 83% ہندو آباد ہیں اِسے اقلیتوں کا ملک کہنا چاہئے، کیونکہ ۲۲ کروڑ مسلمان سات کروڑ قبائیلی، ۶ کروڑ سکھ اور لاکھوں ان گنت دوسری بہت سی قومیں یہاں آباد ہیں، جن میں سے ہر گروپ ہندوستانی جمہوریت میں ایک ووٹ بینکر یا بلاک کی حیثیت رکھتا ہے، مگر عیسائی اپنی کم تعداد کی وجہ سے اس جمہوری نظام یا اس کے رہنماؤں کی نظر میں وہ اہمیت نہیں رکھتے جو دوسروں کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی حکومت کے بعض پروگراموں میں عیسائیوں کے لئے وہ فراخ دلی نہیں نظر آتی جو آنی چاہئے۔ مثلاً حکومت ہند نے بعض قوموں کے لئے ملازمتوں اور داخلوں میں باقاعدہ سیٹوں کا جو تحفظ کر رکھا ہے ان میں نیچی ذات والوں کو ترجیح دی جاتی ہے، مگر عیسائی ہو جانے کی وجہ سے ان کا اپنی اصل قوم سے واسطہ سمجھا جاتا ہے، اسی لئے ان مراعات حاصل کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ درخواست میں اپنی اصل ذات کا اندراج بھی کریں جس کی وجہ سے عیسائیوں کو دشواری ہوتی ہے، ان تمام وجوہ کی بنا پر ہندوستانی عیسائی یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں سرکاری نوکریوں اور ان میں ملنے والی ترقیوں میں برابر کے مواقع حاصل نہیں ہیں، جبکہ عیسائیوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ لوگ اوروں کے مقابلہ میں زیادہ محنتی اور ایماندار ہوتے ہیں۔

بظاہر ان تمام نامساعد حالات کے باوجود عیسائیوں کو صحت عامہ اور تعلیمی کاموں میں ایک قائدانہ حیثیت حاصل ہے۔ عیسائی ڈاکٹروں اور نرسوں کی تعداد پر اگر غور کیا جائے تو ملک کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے دوسروں کے مقابلہ میں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے، ایک اندازے کے مطابق ملک کی کل نرسوں میں ۳۰ فیصد عیسائی نرسیں ہیں۔ عیسائیوں کے ذریعہ چلائے جانے والے اسپتالوں، تعلیمی اداروں وغیرہ کا

Marfat.com

معیار بھی دوسرے اداروں کے مقابلہ میں بہتر تصور کیا جاتا ہے۔

غیر ملکی مسیحی تبلیغی جماعتیں اور ان کے ذمہ دار بھی ہندوستانی عیسائیوں کے ان کاموں میں نہ صرف پوری دلچسپی لیتے ہیں بلکہ اس کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کی کارکردگی بہتر سے بہتر رہے۔

ملک کے شمال اور جنوبی حصہ کے عیسائیوں کی حالت کا موازنہ کرتے وقت یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ جنوبی ہند کے عیسائیوں کی حالت شمال حصہ کے عیسائیوں کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے، اس کی بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ جنوبی ہند کے عیسائیوں نے تبدیلئ مذہب کے باوجود بھی اپنے رہن سہن یا اپنے تہذیبی وتمدنی قدیمی رشتوں کو دوسری قوموں سے ٹوٹنے نہیں دیا، اسی لئے وہ آج بھی اپنے رہن سہن میں ان کا حصہ ہی نظر آتے ہیں۔ جبکہ شمال ہند کے عیسائیوں کو اپنا وجود باقی رکھنے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہے، اسی لئے اس علاقے کے چرچ کے ذمہ دار بھی اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ شمالی ہند کے یہ عیسائی کسی طرح اپنا وجود باقی رکھ سکیں۔ شمال ہند کے عیسائی ہمیں قومی کاموں میں اس طرح آزادانہ حصہ لیتے نظر نہیں آتے جس طرح جنوبی ہند کے عیسائی نظر آتے ہیں، جنوبی ہند کے ایک عیسائی لیڈر کے قول کے مطابق شمال کے عیسائیوں کے لئے ان کا مغربی لباس زیب تن کرنا، انگریزی بولنا اور گائے کا گوشت کھانا ہی شاید ان کی شناخت کے لئے کافی ہے۔

شمال ہند کے عیسائیوں کی اس حالت کے لئے وہ خود ہی ذمہ دار ہیں، اس لئے کہ تبدیلئ مذہب کے بعد انہوں نے اپنے رہن سہن اور اپنے قدیمی تہذیبی رشتوں کو اپنی اصل قوم سے باقی نہیں رکھا، جبکہ جنوبی ہند کے عیسائیوں نے ایسا نہیں کیا اسی لئے وہ آج ان سے زیادہ مطمئن اور بہتر حالت میں نظر آتے ہیں۔

○○○

Marfat.com

اسلام

مذہب اسلام کی ابتداء حضرت آدمؑ کی پیدائش کے وقت سے ہی مانی جائے گی، اوران کے بعد جتنے بھی پیغمبر اس دنیا میں بھیجے گئے، وہ سب اسلام ہی کی تعلیم دیتے رہے۔ مگر ہر پیغمبر کے زمانے کی شریعت الگ الگ نافذ کی گئی، کیونکہ اس میں زمانے کے حالات اور انسانی ذہن کی ساخت کے مطابق تبدیلیاں ہوتی رہیں، شاید اسی لیے بعض محققین نے اسلام کا سامی روایات سے تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس لحاظ سے صحیح ہے کہ خود قرآنِ کریم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً بعض آیات میں اسلام کو دین ابراہیمی اور پیغمبرانِ بنی اسرائیل کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق کہا گیا ہے۔[1]

اب اگر ہمیں ان پیغمبروں کے ماننے والوں یعنی یہود ونصاریٰ اور اسلامی تعلیمات کے درمیان کچھ اختلاف نظر آتا ہے تو وہ قرآنی نقطۂ نظر کے لحاظ سے یہود ونصاریٰ کی بعد کی بدعات اور تحریکات کا نتیجہ ہیں۔

لفظ اسلام پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس کے معنی خود سپردگی اور اطاعت وفرمانبرداری یا تسلیم ورضاء کے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اپنے ان معنوں کے ساتھ کئی مقام پر استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۱، اور ۱۱۲ میں انہیں معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اسلام قبول کر لینے کے ساتھ ہی

---

[1] سورہ الشوریٰ کی ۱۳ ویں سورہ البقرہ کی ۴۰ ویں اور ۱۳۵ ویں آیات

Marfat.com

انسان اس سارے نظام اور قوانین پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے جو شریعت اسلامی کہلاتی ہے، اور جس کا دائرہ اثر عبادات سے لے کر خاندانی و سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن کے مختلف میدانوں تک پھیلا ہوا ہے۔

بنیادی عقائد اور تعلیمات

قرآن کریم کا مرکزی موضوع توحید ہے، جو کائنات میں خدا کی فطرت کے مختلف مظاہر کے ساتھ ساتھ اس کی قدرت اور حکومت پر استدلال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا اقرار کرنے والے بنیادی کلمۂ طیبہ کا پہلا آدھا حصہ یعنی ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' میں توحید کا واضح اعلان کیا گیا ہے (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں) یعنی سوائے اللہ کے کوئی لائق عبادت، لائق پرستش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقائد میں توحید کو قولی، قلبی اقرار کو اول مقام حاصل ہے۔

قرآنِ پاک اپنے دلائل و نظائر میں جہاں کارخانۂ قدرت اور ذاتِ انسانی کو نشانِ راہ کے طور پر استعمال کرتا ہے، وہیں انسانی روح میں خدا کی ہستی کے پوشیدہ احساس کو جگاتا ہے، نیز تمام فطرت اور انسان کا ذاتِ الٰہی پر مکمل انحصار اور اس کے مطیع و محکوم ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ انسانوں کو خدا کی طرف متوجہ کرنے اور انہیں خواب غفلت سے جگانے اور کائنات میں خدا کی قدرت کی مختلف نشانیوں کی طرف انسانوں کو متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ، ان کی ارواح میں دبے ہوئے فطری احساس کو جگانے کی ذمے داری جن ہستیوں کو سونپی جاتی رہی ہے، وہ اپنے اپنے ادوار اور اپنی اپنی اقوام کے پیغمبروں کی ذات رہی ہے، کہ جنہوں نے نفسانیت اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر خدا سے تعلق استوار کرنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ خدا کی مرضی اور اس کی منشاء کو بھی واضح کرنے کا کام کیا، یہاں تک کہ تمام انسانوں اور پوری دنیا کی ہدایت کے لیے اس سلسلہ کے آخری رسول اور پیغمبر کی صورت میں

Marfat.com

ہمارے آقا اور نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور وحی آسمانی وہدایت الٰہی کے ذریعہ تمام انسانوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کا اہم کام انجام دے کر دینِ اسلام کو فروغ دیا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اس عقیدہ پر اصرار کرتا ہے کہ اسلام لانے والے ہر فرد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے علاوہ ان سے پہلے آئے ہوئے تمام پیغمبروں کی رسالت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، نیز ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی حقانیت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ توحید ورسالت کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد میں آخرت، ملائکہ اور تقدیر پر بھی ہر مسلمان کو ایمان لانا ضروری ہے۔ ان بنیادی عقائد کے علاوہ اور بھی ایسے عقائد ہیں جو ایک مسلمان کے صحیح اسلامی عقیدہ کا جز تسلیم کئے گئے ہیں، جیسے عذابِ قبر، پل صراط، قبر میں سوال وجواب، حوض کوثر، شفاعت، اصحاب رسول کی بزرگی کا اعتراف اور قیامت میں دیدار الٰہی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی تعلیمات ہیں جن پر قرآن وحدیث میں زور دیا گیا ہے اور انہیں بھی اسلامی تعلیمات کا جز قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی روایات اور تمدن کا ارتقاء

ان تمام تعلیمات کے علاوہ قرآن کے بعض احکامات اور تعلیمات مذہب کے اس پہلو سے تعلق رکھتی ہیں جن کو ''عبادات'' کہا جاتا ہے، جن میں قرآن وحدیث کے مطابق توحید کا زبان وقلب سے اقرار کرنے کے علاوہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ خاص ہیں۔ اسلام میں عبادات کا مقصد خدا کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار اور اعتراف کرنا ہے۔ ان عبادات کو حقوق اللہ کہا گیا ہے۔ قرآن اور اسلام نے تقدیر انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس میں انسان کو بحیثیت فرد ایک مرکزی مقام حاصل ہے، اور اس کے اعمال کی ذمے داری، اس کا حساب وکتاب

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۹۷، الشوریٰ ۵۲

Marfat.com

جنت دوزخ یا اس کی تقدیر کا فیصلہ، یہ سب انفرادی طور پر ہی ہوگا، لیکن انسان اپنے اس مقدر تک سماج کے ذریعہ یعنی سماج میں رہ کر اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے ہی پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ سماجی زندگی کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ سماج افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ سماجی یا اجتماعی زندگی اس میں موجود افراد پر اثر انداز ہوتی ہے، اسی لیے فرد و سماج کے درمیان ایک ایسا ربط یا تعلق ہوتا ہے جس میں وہ ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ نے قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق ایک خاص طرح کے سماج کی تشکیل کے لیے جو جدوجہد کی تھی، اپنی مدنی زندگی کے آخر تک اس میں انہیں کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ ادھر مشرکین مکہ خاص کر قریش کے ظلم و ستم کے رویے نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو سکون سے نہ رہنے دیا، اور مدنی زندگی کے آخری زمانے تک حضور کو اپنی طرف متوجہ رکھا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے منظم و مستحکم ہونے میں بہت مدد ملی۔ شہر اسلام میں ابتداء ہی سے مذہب اور سیاست کا ایسا اجتماع ہوگیا تھا جس نے آئندہ اسلامی تاریخ پر اپنے بڑے گہرے اثرات چھوڑے۔ حضورؐ کے وصال کے وقت مدینہ میں ایک مخصوص معاشرہ اور ایک خود مختار ریاست اپنے بنیادی خدوخال میں واضح شکل اختیار کر چکی تھی۔

حضورؐ کی رحلت کے بعد مسلم اکثریت کے نزدیک ان کی روحانی جانشینی کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوا، مگر شیعہ حضرات کے نزدیک آپؐ کی روحانی جانشینی امامت کی صورت میں ایک عرصہ تک قائم رہی۔ شیعہ فرقوں میں زیدیہ کے نزدیک چھٹے امام، اور اسمٰعیلیہ کے خیال کے مطابق ساتویں امام اور اثنا عشری شیعہ کے خیال میں بارہویں امام تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یکے بعد دیگرے آپ کے پہلے چاروں جانشین جو خلفائے راشدین کے نام سے موسوم ہیں، اسلامی تعلیمات کے مثالی پیرو اور مسلم معاشرہ اور ریاست کو اسلامی انداز پر

Marfat.com

چلانے والے عظیم رہنما تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے بالترتیب دوسال تین مہینے گیارہ روز، اور حضرت عمر فاروقؓ نے دس سال چھ مہینے پانچ روز، حضرت عثمان غنیؓ نے گیارہ سال گیارہ مہینے اور اٹھارہ روز، اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے چار سال آٹھ مہینے اور اٹھارہ روز ریاستِ مدینہ کی رہنمائی کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکل کر آس پاس کے ممالک فتح کرتے ہوئے مشرق میں ترکستان اور مغرب میں شمالی افریقہ کے وسیع علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ خلافت راشدہ کے آخری دس سالوں میں مسلمانوں کے آپسی اختلافات اور لڑائی جھگڑوں نے فتوحات کے اس سلسلے کو وقتی طور پر روک دیا تھا، مگر جب ۶۶۱ء میں بنوامیہ کے ہاتھوں میں اقتدار آیا تو مسلم ریاست کی فتوحات کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا، اور بنوامیہ کے چھٹے حکمراں ولید بن عبدالملک کے دور میں مسلمانوں نے مشرق میں چین و ہندوستان، شمال میں قفقاز اور مغرب میں جنوبی فرانس تک اسلامی ریاست کی حدود کو پہنچا دیا۔ بنوامیہ کی حکومت ۶۶۱ء۔۷۵۰ تک قائم رہی۔ ان کے نظام حکومت نے اس وقت دنیا کے سامنے ایک بے مثل نظام پیش کر کے دوسری قوموں پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔ ان کے دورِ حکومت میں اسلامی تہذیب وتمدن نے جو منزلیں طے کیں وہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ زندگی کے ہر شعبے اور تہذیب وتمدن کے ہر میدان میں مسلم معاشرے نے ان قدیمی تہذیبی روایتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جو اس کے دائرۂ اثر میں آرہی تھیں۔ غرض اس سارے میل جول نے ایک ایسی معیاری تہذیب کو جنم دیا جو تقریباً آنے والے ایک ہزار سال تک تمام دنیا کے لیے ایک چمکتے ہوئے نمونے کا کام کرتی رہی۔ مذہبی روایات میں ارتقاء کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو عہد بنوامیہ میں علم فقہ، حدیث، تفسیر اور سیرت وغیرہ کی جمع وتدوین کا کام بڑے پیمانے پر ہوا، ساتھ ہی مفتوحہ ممالک میں دوسرے مذاہب والوں اور یونانی علوم سے متاثر

Marfat.com

روایات سے اسلامی روایات کا اختلاط بھی شروع ہوا، جس کی وجہ سے بہت سے دین سے وابستہ مسائل بڑی شدت سے سامنے آئے۔ خلافتِ راشدہ کے تیسرے عہد، یعنی حضرت عثمان غنیؓ کے آخری زمانے میں مسلمانوں میں جو سیاسی گروہ بندیوں اور خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اس کے نتیجہ میں کئی سیاسی جماعتیں وجود میں آگئیں، جن میں شیعہ اور خوارج خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور کی سیاسی واجتماعی گروہ بندیاں، ان کے مخصوص عقائد جیسے اور بہت سے خارجی عوامل، وہ اسباب تھے جو بڑی حد تک اسلامی معاشرے میں فکری ہیجان پیدا کرنے کے ذمہ دار تھے، نیز مفتوحہ علاقوں کے بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے عرب مسلمانوں اور غیر عرب مسلمانوں، دونوں کو نئے نئے فقہی مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا، جن کے لیے قرآن وحدیث میں براہ راست کوئی حکم موجود نہیں تھا، اس وجہ سے مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی ذاتی قوت فیصلہ کا استعمال کرنا پڑا، اور یہی صورت حال مختلف فقہی مکاتب فکر کے وجود میں آنے کا سبب بنی۔

عہد بنوامیہ میں بیرونی اثرات کی وجہ سے آزاد خیالی اور عقلیت پسندی کے جو رجحانات پیدا ہوئے تھے، عہد بنوعباس میں وہ اور شدت اختیار کر گئے۔ اسلامی سماج میں علمی ذوق رکھنے والوں کا ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہوا جو فلسفیانہ طرز فکر اور عقلی بنیادوں پر چیزوں کے پرکھنے پر یقین رکھتا تھا، اسی لیے وہ ایسے ماخذ کا طلب گار تھا جن کی مدد سے حقائق کو عقلی بنیادوں پر پرکھا جاسکے۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پُرانی یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ شروع ہوا، اور یہ ترجمے پہلے سُریانی، آرامی، عبرانی اور فارسی میں ہوئے۔ اسلام سے پہلے بھی بہت سا علمی سرمایہ یونانی سے ان زبانوں میں منتقل کیا جاچکا تھا۔ وقت گزرنے ساتھ ساتھ بعد میں ایسے بھی مترجمین پیدا ہوگئے جو یونانی سے براہ راست عربی میں ترجمہ کرنے لگے۔ ان تمام حالات کے نتیجے میں باقاعدہ ایک عقلیت پسندی کا منظم گروہ معتزلہ کی شکل میں سامنے آیا۔

Marfat.com

ترجمہ کے اس کام کو فروغ دینے میں عباسی حکمرانوں میں ابوجعفر منصور، ہارون الرشید، اور مامون الرشید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے ادوار میں علمی سرپرستی اور علم وعلماء دوستی کی بے مثال خدمات انجام دی گئیں، یہی وجہ تھی کہ ان کے دربار مختلف علوم وفنون کے ماہرین سے بھرے رہتے تھے، جنہیں ہر طرح کی سہولیات دربار کی طرف سے میسر تھیں۔ اسی لیے عباسی دور کو علمی، تہذیبی اور تمدنی وثقافتی ترقی کا دور کہا جاتا ہے، علم حدیث، تفسیر، فقہ، نحو وصرف اور دوسرے دینی علوم کے علاوہ بہت سے سائنسی علوم جیسے علم کیمیا، طبیعیات، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، منطق، علم طب وغیرہ کو بھی اس دور میں زبردست فروغ حاصل ہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک ایسے اشخاص سماج میں ملنے لگے تھے کہ جن کے ذریعہ مذہب کا روحانی پہلو، جو تقریباً دب کر رہ گیا تھا، اُجاگر کیا جانے لگا، یہاں تک کہ دسویں صدی عیسوی تک تصوف نے باقاعدہ ایک روایت کی شکل اختیار کرلی تھی، اس سلسلہ میں حسن بصریؒ، ابراہیم ادھمؒ، فضل بن عیاضؒ اور معروف کرخیؒ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سری سقطیؒ، ابوسعید الخرازؒ کا شمار صوفی مصنفین میں ہوتا ہے، جن کی تصانیف نے تصوف کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

ایک وقت وہ آگیا کہ علماء وصوفیاء کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج پریشانی کا سبب بن گئی جس کی بڑی حد تک ذمہ دار صوفیانہ تصورات کی خلاف شرع وہ مختلف شکلیں تھیں جو معاشرے میں رائج ہوچکی تھیں، گیارہویں صدی کے مصنفین مثلاً ابوطالب مکیؒ، السراجؒ، امام قشیریؒ، اور شیخ علی ہجویریؒ نے جہاں اپنی تصانیف کے ذریعہ تصوف کی صحیح تشریح راسخ العقیدگی کے معیاروں کو سامنے رکھ کر، نیز خلاف شرع باتوں کو رد کرتے ہوئے صوفیانہ تصورات کی زبردست خدمت کا کام کیا، تصوف میں ان مثبت کوششوں کو اس وقت ایک بڑی طاقت مل گئی جب امام غزالیؒ نے شریعت اور تصوف میں ایک ایسا گٹھ جوڑ پیدا کرنے کی کوشش کی کہ نہ صرف پچھلے تمام خدشات دور ہوگئے بلکہ ان کے خیالات نے مسلمانوں کی مذہبی فکر پر ایسا گہرا

Marfat.com

اثر ڈالا کہ آج تک اسلامی روایت انہیں کی تشریح وتعبیر کی حامل ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ مذہب اسلام کی ایسی تعبیر پیش کی جس کے مطابق شریعت اگر جسم ہے تو تصوف کو اس کی روح ثابت کیا، اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دیا۔ اس طرح انہوں نے دینی علوم میں روحانیت کی جان ڈال دی یہی وجہ تھی کہ امام غزالی کے بعد علمائے دین میں تصوف کو وہ فروغ حاصل ہوا کہ یہ لوگ کسی نہ کسی کے مرید اور اکثر مستند صوفی بزرگ عالم دین ہوتے ہیں۔ نیز امام غزالی کی شخصیت، خیالات اور ان کی تصنیفات نے مسلمانوں کے مذہبی افکار پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ آج تک اسلامی روایت انہیں کی تعبیر وتشریح کی حامل ہے۔

ظہور اسلام کے ساتھ جس تہذیبی عمل کا آغاز ہوا تھا اس کی معراج روحانیت کو اپنا مقصود بنا کر حاصل ہوئی، اور پھر مسلم سماج کا کوئی طبقہ ایسا نہ رہا جو تصوف کے اثر سے بچ گیا ہو، شاہ وگدا، عوام وخواص مرد وعورت، غرض پورا معاشرہ اسی رنگ میں رنگ گیا تھا۔

عہد وسطیٰ کے مسلم سماج میں تصوف کے اس مختصر ذکر کے بعد ضروری ہے کہ اس دور میں ہم ان علوم وفنون کا بھی ذکر کرتے چلیں جو اس دور کے تہذیبی عمل میں شریک رہے۔ اس دور میں مختلف زبانوں کی کتابوں کے تراجم نے صرف عقلیت کے رجحان کو ہی ترقی نہیں دی تھی بلکہ ان میں نئی نئی جستجو کا مذاق بھی پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ منصور کے دور میں ابراہیم فرازی، الخوارزمی نے علم ریاضی اور علم ہیئت میں لاجواب تحقیقات کے ساتھ ساتھ ہندسوں کو عرب دنیا میں متعارف کروا کر مسلمانوں کے لیے ترقی کی راہ ہموار کر دی۔ علم ریاضی، علم کیمیاء، علم طبیعیات، جغرافیہ، تحقیقات وتصنیفات کے ذریعہ وہ بے مثال کارنامے انجام دیے کہ دور جدید کی طبی وسائنسی تحقیقات کے لیے وہ کارنامے بنیاد بن گئے۔

بین الاقوامی تجارت کے فروغ کی خاطر نئے نئے بحری راستوں کی تلاش

Marfat.com

نے علم جغرافیہ کو نئی سے نئی معلومات سے مالا مال کیا۔ یعقوبی، مقدسی، الادریسی وغیرہ نے اپنی تحقیقات اور دور دراز کے اسفار کے ذریعہ بہت سی جغرافیائی معلومات کا احاطہ کیا۔ علم طب میں مسلمانوں کی دلچسپی اس کے فوائد کی وجہ سے بنی امیہ کے دور سے ہی قائم تھی۔ اس علم کی بعض کتابوں کا ترجمہ بھی اس دور میں ہوا، مگر اس فن میں صحیح معنوں میں ترقی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب مامون الرشید نے جالینوس کی کتابوں کو عربی میں منتقل کرایا۔ ابوبکر الرازی اس علم کا وہ پہلا ماہر ہے جس نے ہندوستانی، ایرانی اور یونانی طبی ورثہ کو اپنی کتابوں میں جمع کیا بلکہ اپنی نئی تحقیقات اور تجربات کے ذریعہ اس علم میں بہت کچھ اضافہ بھی کیا۔ بغداد میں اسپتالوں کے قیام کا سلسلہ ابوبکر الرازی کی دین تھی۔ یہ اسپتال علاج و معالجہ کی جگہ کے علاوہ نوجوان طبیبوں کی تربیت گاہ بھی تھے۔ الرازی نے فن طب پر تقریباً دوسو کتابیں تصنیف کیں۔ رازی کے علاوہ علی عباس مجوسی، ابن لنفیس، حسین بن علی ابی سینا نے علم طب میں اپنی تحقیقات و تصنیفات کے ذریعہ وہ بیش بہا خدمات انجام دیں کہ آج تک دنیا انہیں ان علوم کا موجد اور رہنما تسلیم کرتی آرہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصنیفات کو مغرب کی بہت سے زبانوں میں منتقل کیا جاچکا ہے۔ فن طب، ریاضی، ہیئت اور جغرافیہ کی طرح مسلمانوں نے دیگر عقلی علوم، علم کیمیا، علم نجوم، علم الحیوان، علم نباتات اور علم جراحی کو جابر بن حیان، ابو مشعر، ابوعثمان، الجاحظ، البیرونی، وغیرہ نے اسلامی معاشرہ میں نہ صرف رائج کردیا تھا، بلکہ ان کی تصانیف سے متاثر ہوکر ایسے محققین پیدا ہوتیرہے جنہوں نے صدیوں تک مسلمانوں کو ان علوم کا امام بنائے رکھا۔

مسلمانوں میں علم تاریخ کی ابتداء سیرت نگاری اور مسلمانوں کے ابتدائی تاریخی حالات کو اکٹھا کرنے سے ہوئی، صحابہؓ کے حالات کے علاوہ بنوامیہ کے حالات، ان کا انتظام سلطنت، فتوحات کے سلسلہ میں ایرانی، رومی اور دوسری قوموں کے حالات کی جانکاری کے علاوہ قرآن میں مذکور یہود و نصاریٰ قوموں کی

Marfat.com

تاریخوں کی معلومات وغیرہ سے دلچسپی لینے کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ابتداء ہی سے علم تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی، یہاں تک کہ اس فن میں ہر دور میں بہت ساری کتابیں لکھی جاتی رہیں۔

مسلمان مؤرخین میں ابن جریر الطبری کو علم تاریخ میں اولیت حاصل ہے، جس نے اپنی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں پوری صحت کے ساتھ دنیا کی ایک مکمل تفصیلی تاریخ پیش کی ہے۔ اس فن میں طبری کے بعد دوسرا اہم نام ابوالحسن علی المسعودی کا آتا ہے، جس نے اپنے ایشیا اور افریقہ کے سفر کے بعد ساری تاریخی معلومات کو اپنی تیس تاریخی تصانیف میں مختلف عنوانات کے تحت محفوظ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ طبری اور مسعودی کے ذریعہ مسلمانوں میں علم تاریخ اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا، بعد کے مؤرخین انہیں کے طرز کو اپنا کر تاریخ نگاری کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

HINDUSTANI MAZAHIB : EK MUTA'LA

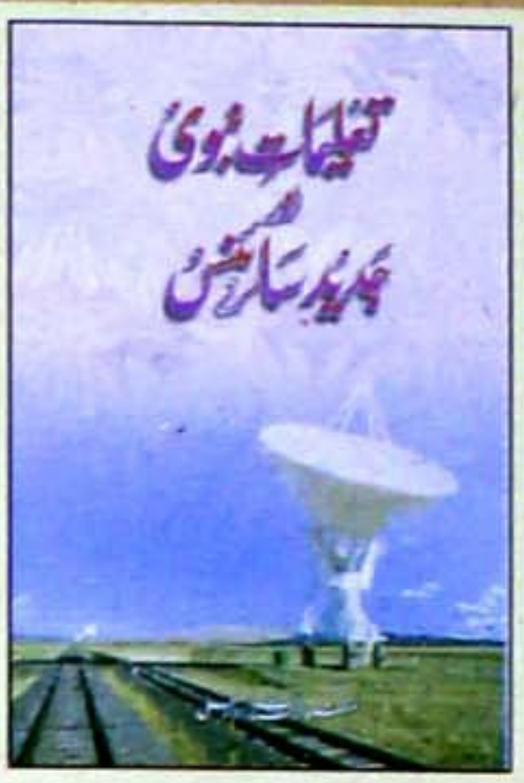

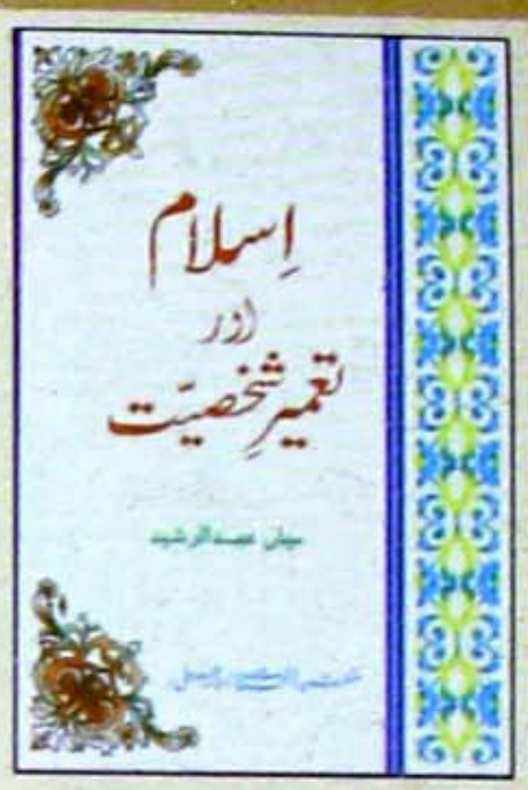

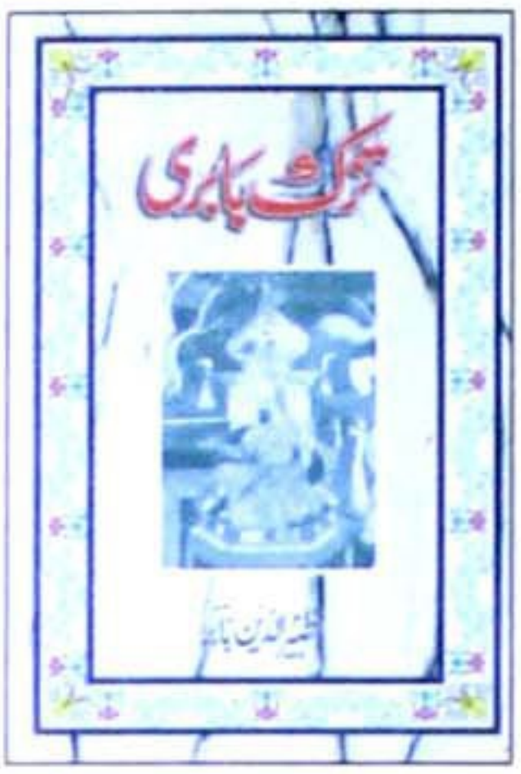

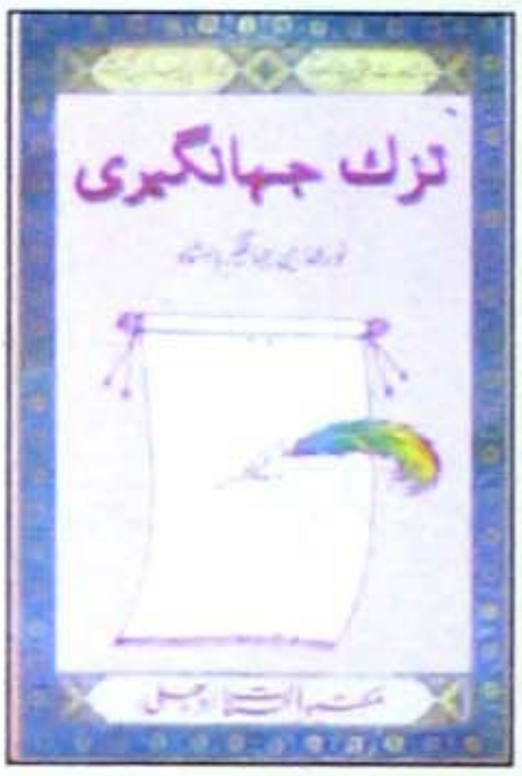

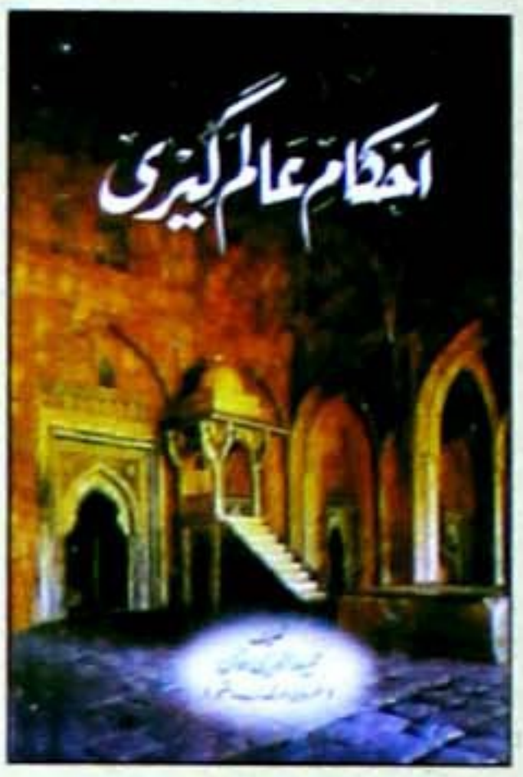

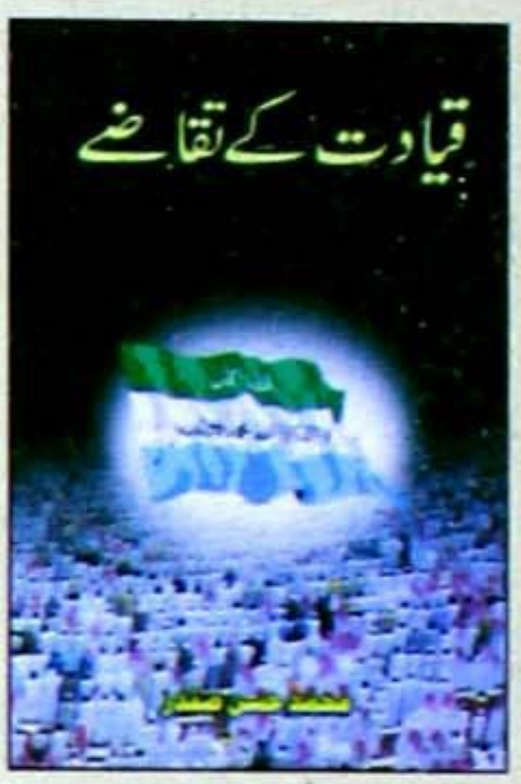

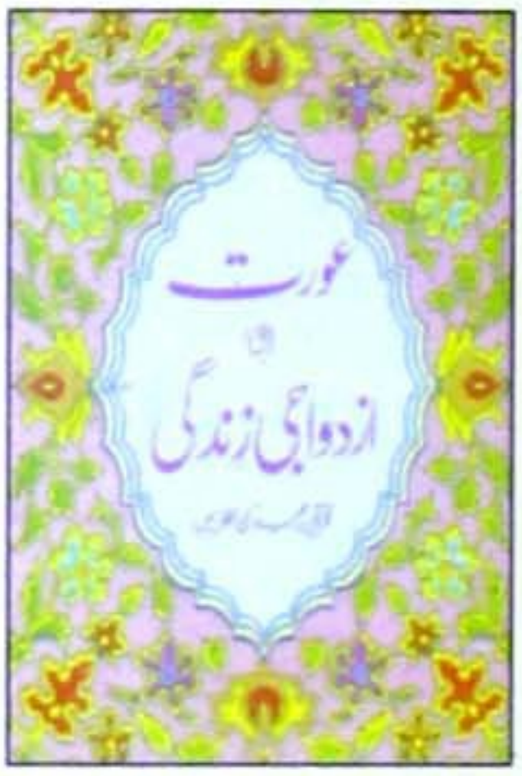

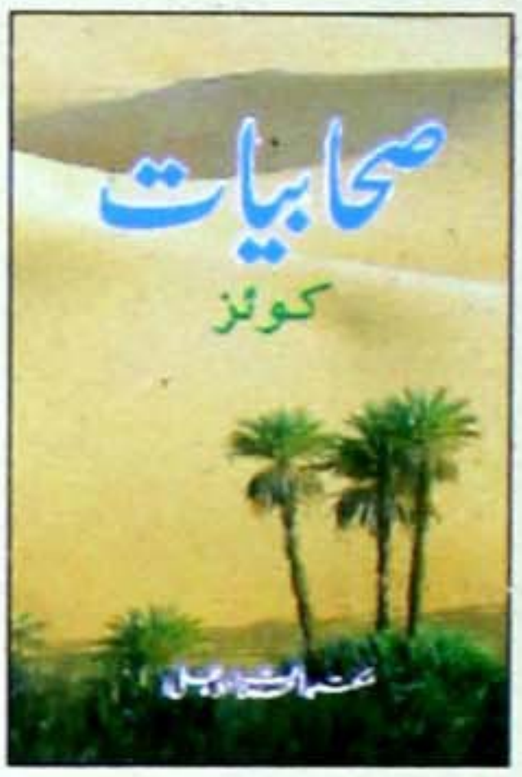

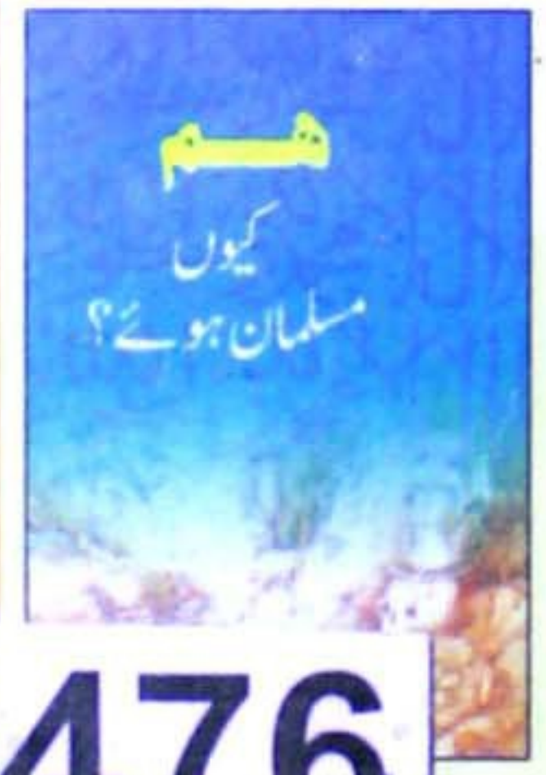

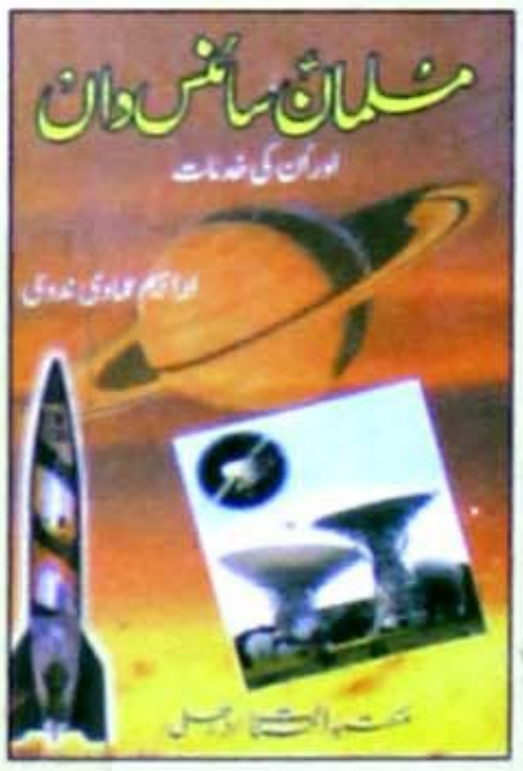

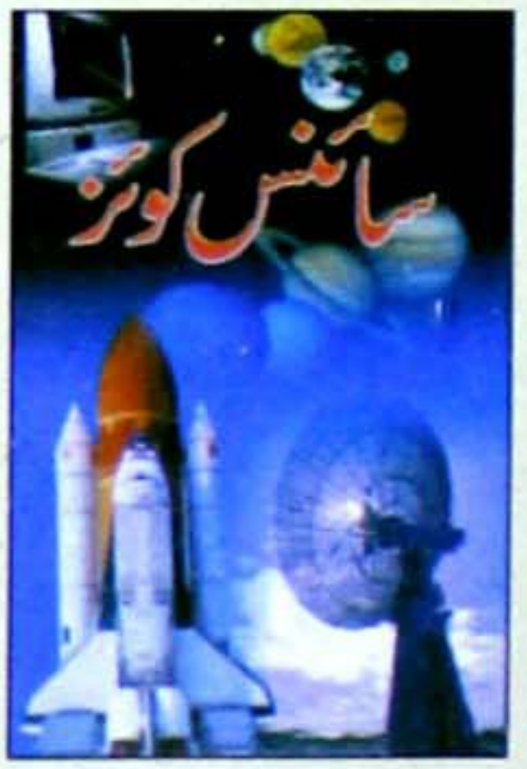

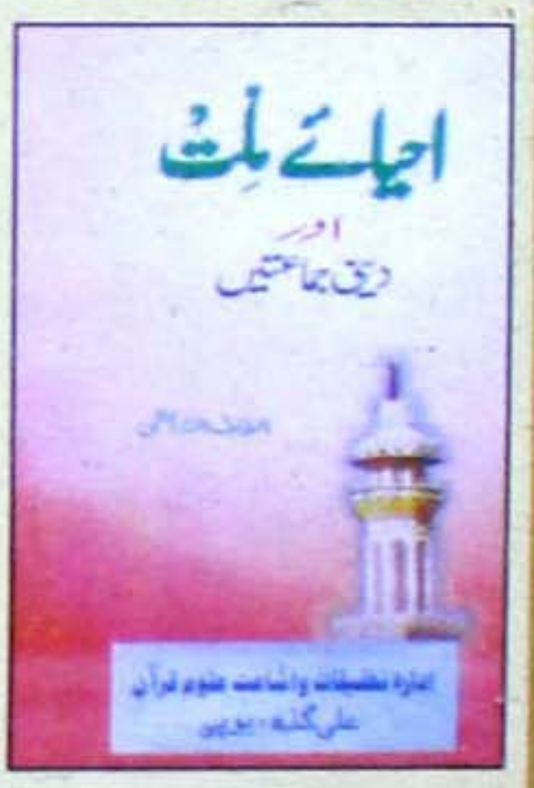

5476

40/-

مکتبہ الحسنات (دہلی)
MAKTABA AL HASANAT
2241, Kucha Chelan, Darya Ganj, New Delhi - 110002
Tel. : 2327 1845, Telefax : 91-11-5156 3256
e-mail : m_alhasanat@rediffmail.com

Marfat.com

HINDUSTANI MAZAHIB : EK MUTA'LA

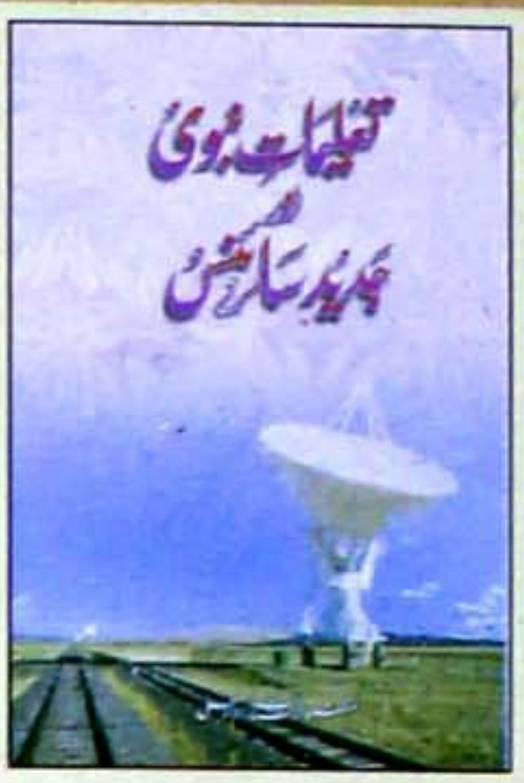

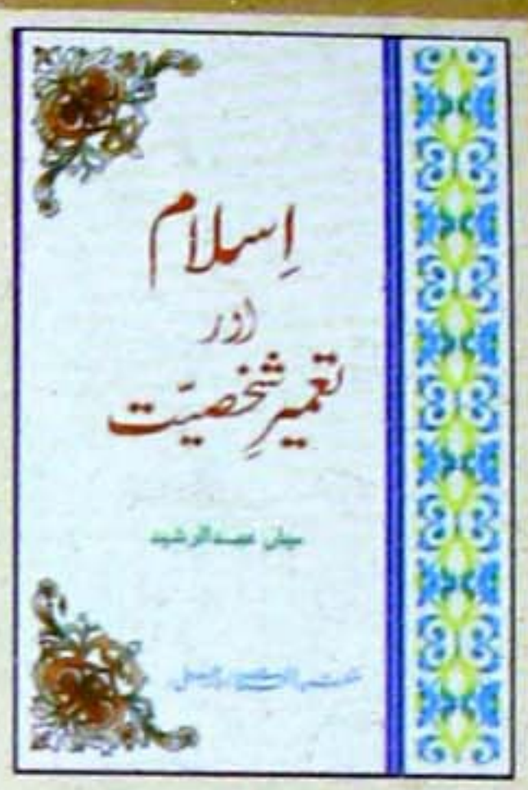

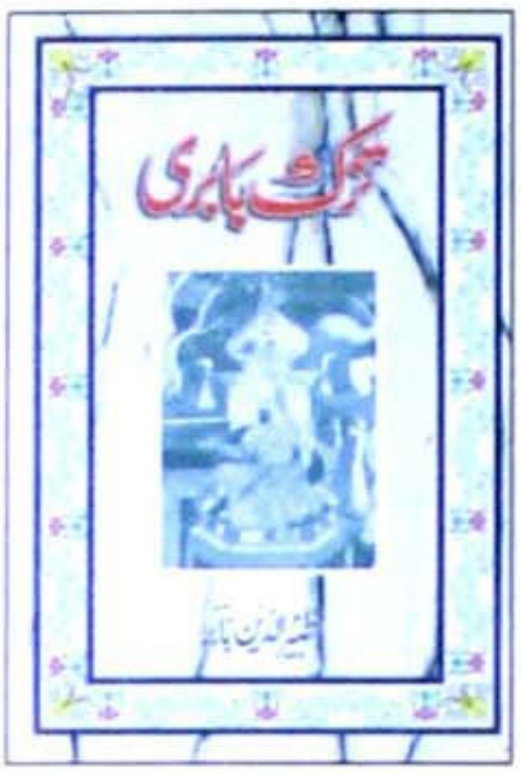

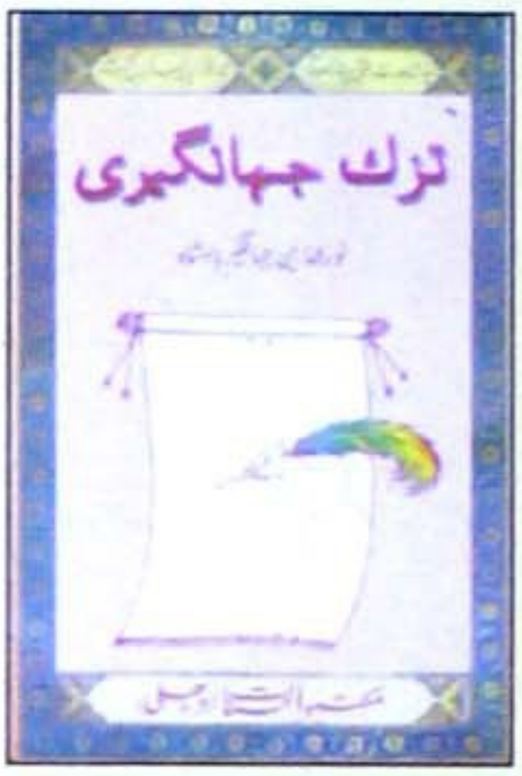

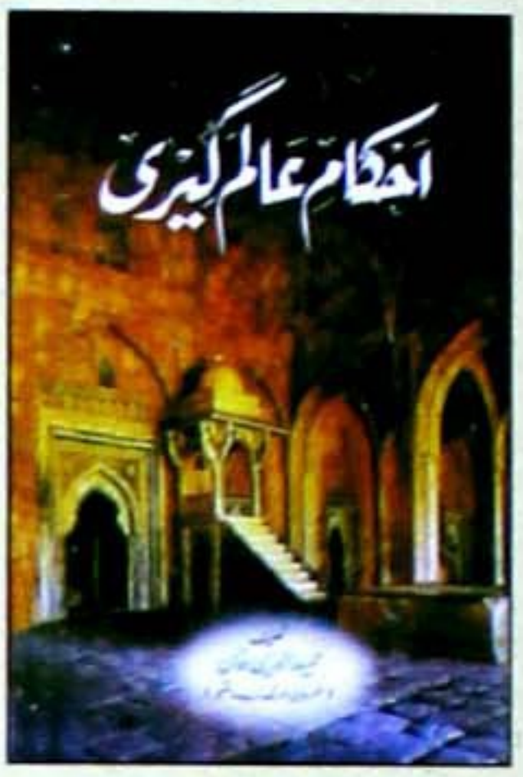

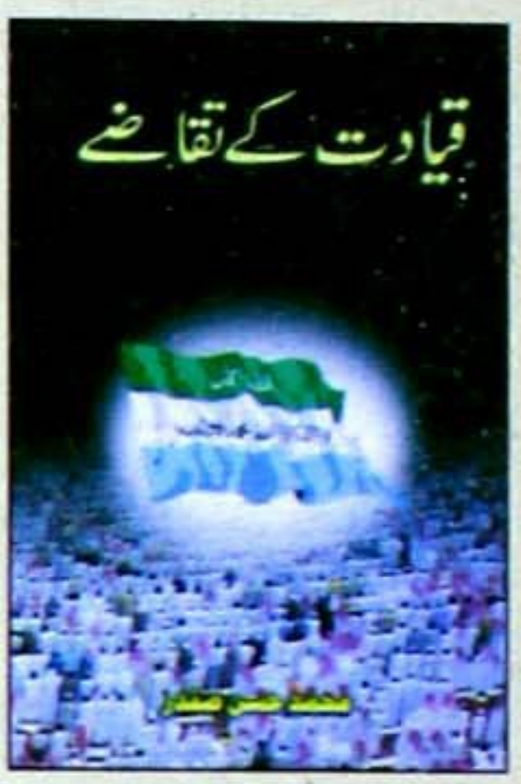

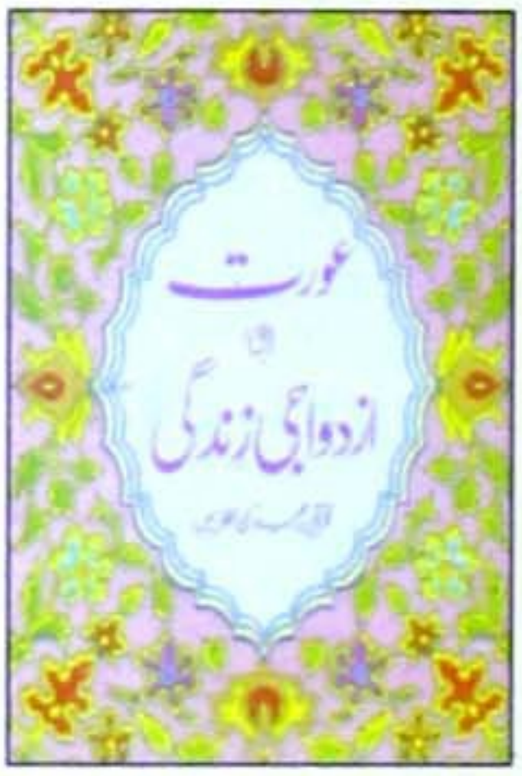

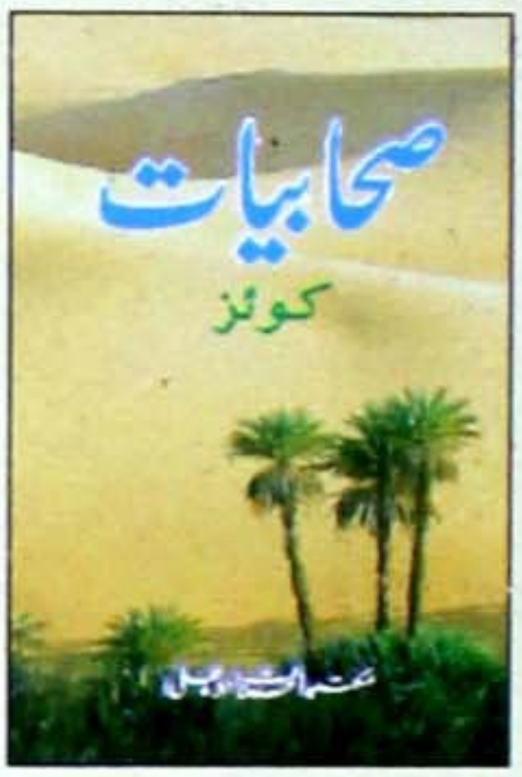

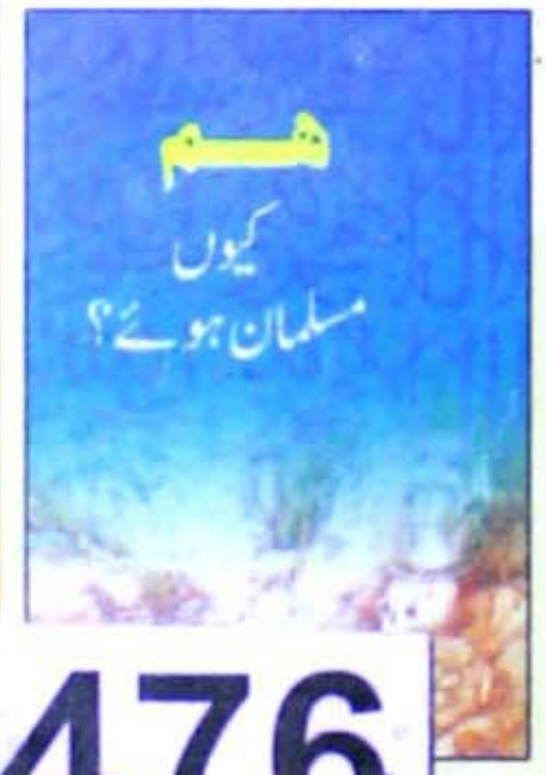

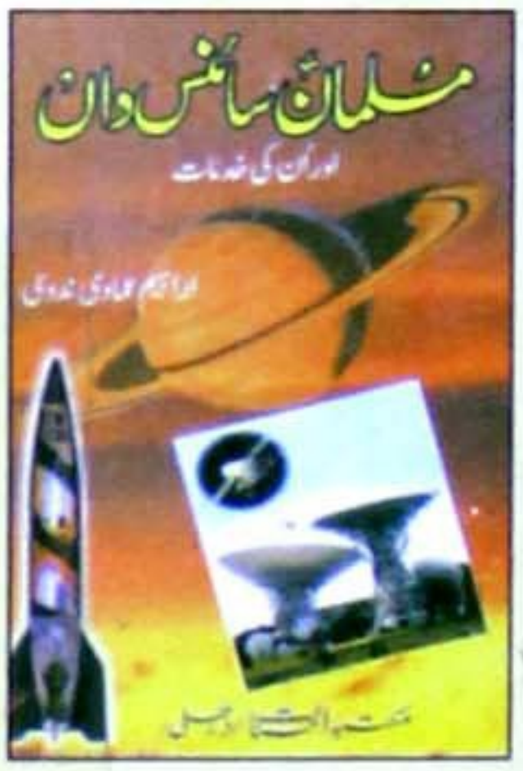

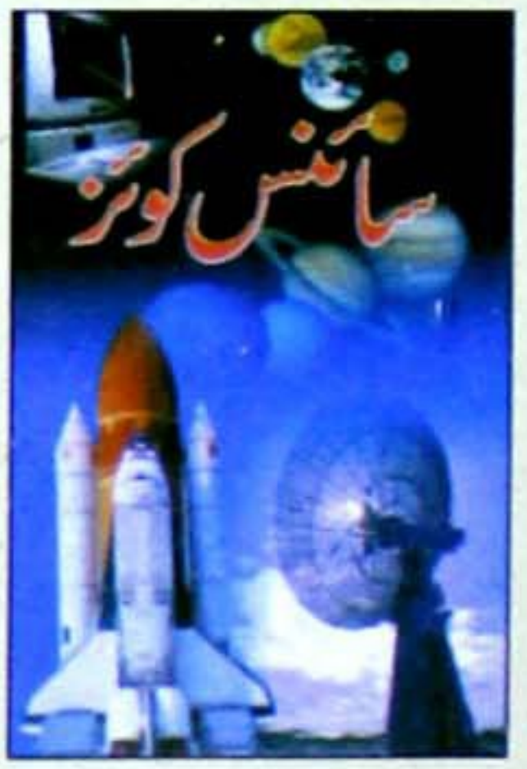

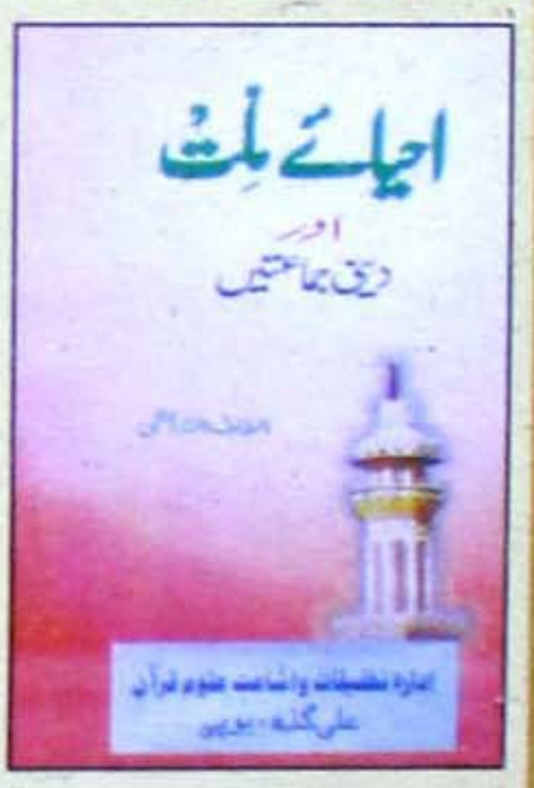

5476

40/-

مکتبہ الحسنات (دہلی)
MAKTABA AL HASANAT
2241, Kucha Chelan, Darya Ganj, New Delhi - 110002
Tel. : 2327 1845, Telefax : 91-11-5156 3256
e-mail : m_alhasanat@rediffmail.com

Marfat.com